مقدمہ

نمبر ۱ (۷)

جلد ۱

تفسیر الفرقان

مصنفہ

میرزا حیرت دہلوی

بابت ماہ رجب المرجب ۱۳۱۷ھ

قیمت مع محصولڈاک للعہ سالانہ

ماہواری چار جزو

در مطبع نظامی واقع دہلی بطبع مزین مقبول جہاں شد

قیمت فی جلد ۸ر

ساتھ کیا کیا روسیوں نے رومی عورتوں اور بچوں کے ساتھ بلغاریہ میں کیسا حیمانہ برتاؤ کیا ۱۸۵۷ء میں باغیوں کو ہندوستان میں کیا سزا دی گئی غرض اسی طرح سے ہزاروں مثالیں موجود ہیں اگر آنکھیں نہ بند کر لیجائیں تو سب کچھ نظر آ سکتا ہے اور کسی صورت سے بھی اس قتل پر کوئی نکتہ چینی نہیں ہو سکتی۔

(۶ سنہ ہجری مطابق ۲۳ اپریل ۶۲۷ء سے ۱۲ اپریل ۶۲۸ء تک)

مشرکین قریش اور یہودیوں کی ساری مشترکہ کوششیں جو اسلام کی جمہوری حکومت مدینہ کے خلاف ہوئی تھیں الحمد للہ برباد گئیں اور حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے بین معجزے نے مسلمانوں کو ان خوفناک دشمنوں سے تو اطمینان دیا مگر ہنوز صحرائی اقوام عرب کی تاخت و تاراج اور قتل و غارت کے وہی دم خم باقی تھے اور وہ اپنا موقع پا کے مدینہ کو لوٹ بھی لیتے تھے قتل بھی کر ڈالتے تھے اور اُن کے مال بچوں کو پکڑ کے بھی لیجاتی تھیں۔ جب مسلمان جمع ہو کے ان سے انتقام لینے یا اپنے بھائی کی مدد کرنے نکلتے تھے وہ بھاگ جاتے تھے۔ کچھ عرصہ ہوا کہ بنی لحیان نے حضور انور کی خدمت بابرکت میں چند آدمی بھیجے اور عرض کیا کہ آپ ایسے مسلمان واعظ ہمارے ہاں بھیجیں جو ہمیں اصول اسلام کی تعلیم کریں اُن کی درخواست قبول کر لی گئی اور فوراً آپ نے چند واعظ روانہ کیے جونہی یہ بیچارے واعظ پہنچے بلا سبب اُنہوں نے ان مسلمانوں کو قتل کر ڈالا۔ مصلحت وقت کی وجہ سے ابھی تک اِن لوگوں سے کوئی انتقام نہ لیا گیا تھا مگر جب قریش کا زور کم ہو گیا تو اب مسلمانوں نے اس ناواجب قتل کا انتقام لینا چاہا۔ وہ سنتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے اور پہاڑوں میں جا کے چھپ گئے حضور انور بغیر انتقام لئے واپس چلے آئے اسی اثنا میں غطفان کی ایک شاخ نے مدینہ کے حوالی میں حملہ کیا اور کثرت سے مسلمانوں کے اونٹ لیگئے اور ایک مسلمان کو شہید بھی کر گئے مسلمانوں نے سنتے ہی اُن کا تعاقب کیا چند اونٹ تو اُن سے چھڑا لیے مگر اُن سے کوئی انتقام نہ لے سکے کیونکہ وہ بھاگ کے پہاڑوں میں چھپ گئے تھے۔ اسی عرصہ میں حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے سینٹ کیتھرائن کے پادریوں کو وہ حقوق بخشے جو اُنہیں کبھی عیسائیوں کی سلطنت میں بھی نہ بخشے گئے تھے۔ اس آزادانہ بخشش پر اسلام ہمیشہ فخر کریگا اور جبتک اسلام قایم ہے اسکے یہ آزادی بخش قوانین یادرہیں گے۔ مسلمان مورخین نے نہایت ایمانداری سے اس معاہدہ کو پورا پورا اپنی تاریخوں میں درج کر دیا ہے کہ حضور انور نے عیسائیوں کو کیا کیا حقوق بخشے تھے اور دین اسلام سے مخالف ہونے پر بھی اُن کے ساتھ کیا رعایتیں ملحوظ رکھی تھیں چنانچہ وہ حقوق یہ ہیں۔

جو مسلمان ان باتوں کی جو اس فرمان میں منضبط ہیں مخالفت کرے یا اُن پر عملدرآمد کرنے سے جی چرائے تو وہ مسلمان خدا کے فرمان کا منکر سمجھا جائے گا اور خدا کا بہت بڑا گنہگار ٹھہریگا اور یہ سمجھا جائے گا گویا اُس نے خدا کے دین کی حقارت کی۔ نبی نے اپنے اور اپنے پیروؤں پر یہ لازم کر دیا ہے اور ہر مسلمان کو یہ تاکید کر دیجاتی ہے کہ ہمیشہ عیسائیوں کی حفاظت کریں۔ اُن کے گرجاؤں کی دستگیری اور نگرانی کریں اور اُن مکانوں کی خبرداری کریں جہاں پادری رہتے ہیں اور تمام نقصانات اور آفات سے اُنکے سینہ سپر رہیں اُنسے ہرگز نا موہن

اخیر سامان مدینہ میں چاپ آتے اور چاروں طرف سے اُن کا محاصرہ یہودیوں اور قریشیوں نے کر لیا ہر چند قریشیوں نے چاہا کہ مسلمان باہر نکل کے جنگ کریں مگر مسلمانوں نے خلاف مصلحت دیکھا اور شہر سے جنبش نہیں کہائی۔ وہ وحشی قومیں جو محض لوٹ کے لالچ میں قریشیوں کے ساتھ ہو گئی تھیں بیس دن کے لگاتار محاصرہ سے تھک گئیں یہ جرأت تو پڑی نہیں کہ کہائی میں ہوئے شہر کے اندر گہس آئیں اور مسلمانوں کو قلع و قمع کر دیں مدینہ میں مسلمانوں کی حالت بہی سخت ناگفتہ بہ تہی۔ گہوڑوں کے لئے چارا اور دانہ مطلق نہ رہا تہا۔ سامان خورد نوشں بالکل ہو چکا تہا اور فاقوں کی نوبت آگئی تہی۔ اُدہر یہ جبر و تعدی اور ادہر یہ صبر اخیر خدا کا قہر جنبش میں آیا اور ایک ایسا طوفان آیا کہ مشرکین کے تمام ڈیرے خیمے اکہڑ گئے روشنی گل ہو گئی۔ ابو سفیان اپنی پراگندہ فوج کو لے کے کافور ہوا۔ یہودیوں نے اپنی اپنی گڑہیوں میں پناہ لی۔ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دن پہلے ہی سے مسلمانوں کو یہ خوشخبری سنا دی تہی کہ آج تمہارے دشمن پراگندہ ہو کے بہاگ جائینگے دوسرے ہی دن مسلمانوں نے اپنے نبی کی پیشین گوئی کی صداقت دیکھ لی۔ یہ فتح جو محض تائید غیبی سے مسلمانوں کو حاصل ہوئی اگرچہ انہیں پوری مطمئن کرنے والی تہی مگر اُن یہودیوں کا کہٹکا باقی تہا جو مدینہ کے قریب جوار رہتے تھے اور برابر مخالفت پر تلے ہوئے تھے اور شب و روز اپنی معاندانہ کوششوں میں سرگرم تھے۔ مسلمانوں نے پہر بہی قانون کو ہاتھ سے نہیں دیا اور اُنہیں باقاعدہ مراسلہ بہیجا۔ کہ چونکہ تم نے ایسے نازک وقت میں نقض عہد کیا اسلئے تم پر تاوان لازمی ہو گیا اب تم ہمیں تاوان دیدو اور نئے سرے سے پہر ہم سے معاہدہ کرو۔ کوتاہ اندیش یہودیوں نے تاوان دینے سے انکار ہی نہیں کیا بلکہ ہمارے معصوم فخر رسل کی بے انتہا توہین کی اور سخت الفاظ استعمال کئے۔ اور اخیر مسلمانوں نے اُن کی گڑہیوں کا محاصرہ کر لیا اور بہت جلد انہیں مجبور کیا کہ وہ مسلمانوں کے آگے اپنے ہتہیار ڈالدیں۔ یہ سب گرفتار کر لئے گئے اور اخیر ان یہودیوں کی سزا اُن کے سردار قوم سعد بن معاذ کے فیصلہ پر طے پائی۔

(ذیقعدہ ۵ھ مطابق ۲۰ فروری سے ۲۴ مارچ ۶۲۷ء تک)

سعد بن معاذ جسے خود یہودیوں نے اپنے فیصلہ کے لئے منتخب کیا تہا ایک تند و تیز مزاج کا سپاہی تہا اور یہودیوں کے محاصرہ کرتے وقت سخت مجروح بہی ہو چکا تہا اور اُن ہی زخموں کی وجہ سے دوسرے دن اُسکی وفات بہی ہو گئی اُس نے یہ فیصلہ کیا کہ کل وہ یہودی جو عہد شکنی کر کے مسلمانوں کے مقابلہ میں میدان جنگ میں آئے تھے قتل کر دیئے جائیں اور اُنکے بیوی بچے لونڈی غلام بنا لئے جائیں چنانچہ فوراً اس حکم کی تعمیل ہوئی۔ یورپی مصنف آنکھیں بند کر کے اس قتل عام پر سخت معترض ہوتے ہیں مگر ذرا وہ تاریخ اقوام کے صفحے الٹیں تو اُنہیں معلوم ہو کہ باغیوں اور عہد شکن اقوام کی سزا دنیا کی حکمران اقوام نے کیا دی ہے۔ تمام ممالک کی تاریخیں موجود ہیں وہ جدال و قتال جو نہ صرف باغیوں پر بلکہ بیگناہ و بے خبر ہوا کسی سے چھپا ہوا نہیں ہے اندلس میں عیسائیوں نے مسلمانوں کو بھی

طریقہ سے ٹیکس نہ لیا جائے کوئی بشپ ہرگز اپنی بشپی کے عہدہ سے علیحدہ نہ کیا جائے. کوئی عیسائی کبھی اس بات پر مجبور نہ کیا جائے کہ وہ اپنے دین کو ترک کرے۔ کوئی بطریق اپنے عہدہ سے برطرف نہ کیا جائے۔ کوئی عیسائی زائر بزور اپنے معبد کی زیارت سے کبھی نہ روکا جائے نہ عیسائیوں کے گرجے کبھی اس خیال سے کہ ان کی جگہ مسجدیں بنائی جا منہدم کئے جائیں نہ انکی تعمیری صورت کو بصورت مسجد بنایا جائے جب مسلمان عیسائی عورتوں سے شادی کریں تو اُن کا فرض ہے کہ انہیں اُن کے دین کے ارکان ادا کرنے یا اُن کی مذہبی عبادت کرنے کی بالکل آزادی دے دیں جس طرح اُن کا جی چاہے وہ عبادت کریں ہرگز اُن کو نہ روکا جائے اور اس میں انہیں نہ کوئی تکلیف دی جائے جس سے وہ اپنی مذہبی عبادت نہ کرسکیں نہ انہیں ایسا مجبور کیا جائے جس سے اُن کے ارکان دین میں خلل پڑجائے۔ اگر عیسائی اپنے گرجوں یا خانقاہوں کی مرمت کے لئے یا اور مذہبی ضروریات پورا کرنے کے لئے روپیہ وغیرہ کے حاجتمند ہوں تو مسلمانوں کو چاہیئے اُن کی مدد کریں۔ مگر یہ مدد کرنا وہ اپنا مذہبی اصول نہ سمجھ لیں بلکہ اُن کی مدد کرنی ضروری امور میں سے خیال کریں اور جہاں تک ہو ہر ضرورت میں اُنکی مدد کریں اور اُن کی مصیبت میں شریک ہوں۔ ان قواعد و احکام کی پیروی کل مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ خدا اور اس کے نبی کی طرف سے سمجھ کے ان احکام پر عمل کریں اگر مسلمان باہر عیسائیوں سے جنگ کرنے میں مشغول ہوں تو انہیں لازم ہے کہ وہ ان عیسائیوں سے جو ان میں زندگی بسر کرتے ہیں کبھی حقارت سے پیش نہ آئیں اگر کوئی مسلمان بُرے طور سے ایسے وقت میں عیسائی سے پیش آیا تو گویا اُس نے نبی کے احکام کی مخالفت کی۔ فقط۔

یہ تھی آزادی اور یہ تھی مساوات حقوق۔ دنیا نے اپنی آنکھ سے کبھی ایسی مذہبی آزادی کو نہیں دیکھا جو ایک قوم نے دوسری غیر مذہب قوم کو بخشی۔ ایک طرف تو صحرائی عرب آئے دن کے حملوں سے تنگ آ گئے اور مدینہ پر یورش کر کر کے تھک گئے۔ ادھر مشرکین قریش کی حالت رستہ بند ہونے کی وجہ سے دگرگوں ہونے لگی تو انہوں نے ایک عریضہ حضور انور کی خدمت میں ارسال کیا اور لکھا جو کچھ ہم نے کیا اُس کا خوب مزا چکھا ہے ہماری تجارت کا ستیاناس ہو گیا اور ہم برباد ہو گئے ہمیں اجازت دی جائے کہ ہم آزادی سے جہاں چاہے جائیں اور اپنے دھندوں سے لگیں آپ نے فوراً اجازت دیدی اور اس اجازت دینے میں کچھ بھی قیل و قال نہیں ہوئی دو واقعے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں جن سے یہ پتہ چلیگا کہ آپ اپنے دشمنوں پر بھی کیسے مہربان تھے۔ آپ کی صاحبزادی معاہدہ حدیبیہ کے بعد مکہ سے مدینہ تشریف لا رہی تھیں آپ کا اونٹ کسی وجہ سے قافلہ سے کچھ آگے بڑھ آیا تھا۔ ایک قریشی جس کا نام ضرار تھا رستہ میں ملا اس قریشی کو نبی اور آپ کی اولاد سے سخت دشمنی تھی اس نے بغیر کسی وجہ کے صاحبزادی صاحبہ پر اپنے زہر کے بجھے ہوئے نیزہ سے حملہ کیا اور آپ کے جگر میں ایسا کاری زخم لگایا کہ آپ وہیں شہید ہو گئیں جب مکہ فتح ہوا ہے تو اس بے رحم قاتل کی تلاش کے لئے ڈھنڈورہ پٹوایا گیا کچھ عرصہ تک تو وہ روپوش رہا لیکن بعد ازاں خود حضور انور کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور اپنے کو حضور انور کے رحم پر چھوڑ دیا اگرچہ اس کا یہ جرم ناقابل معافی اور سخت تھا مگر چونکہ اس

میں معاملات ذاتی کا رنگ پایا جاتا تھا یعنی حضور انور کی لخت جگر کا قتل تھا آپ نے اُسے معافی بخشدی وہ یہودن جس نے حضور انور کو گوشت میں زہر ملا کے دیا تھا گرفتار ہوکے رہا کر دی گئی۔ عکرمہ ابو جہل کا بیٹا جو حضور انور کے تلخ ترین دشمنوں میں سے تھا گرفتار ہوکے رہا کر دیا گیا۔ جب انتہا درجہ مجبور ہوکے آپ کوئی مہم روانہ فرماتے تھے تو فوجی افسر کو یہ ہدایت فرما دیا کرتے تھے۔

اُن مظالم، تکالیف اور مصائب کا انتقام لینے کے لئے جو ہمارے دشمن ہم پر توڑیں یہ باتیں دیکھنی فرض ہیں اور ان پر عملدر آمد کرنا ہر فوجی افسر کو لازم ہے بالخصوص اُس فوج کے سردار کو آپ نے یہ ہدایت کی تھی جو اہل قسطنطنیہ کے مقابلہ کے لئے بھیجا گیا تھا بیکس عورتوں کو نہ ستانا نہ گوشہ گزیں لوگوں کو کچھ تکلیف دینا عورتوں پر ہمیشہ رحم کرنا اُس بچہ کو جو ماں کی چھاتی سے لگا ہو کبھی آنکھ بھر کے بھی نہ دیکھنا۔ اُن لوگوں کو کبھی نہ ستانا جو مریض ہوں یا بستر پر پڑے ہوئے ہوں۔ لوگوں کے بنے ہوئے گھروں کو مت ڈھانا نہ اُن کی معاش کے ذرایع کو تباہ کرنا نہ اُنکے میوہ دار درختوں کو ہاتھ لگانا نہ خرمے کے درختوں پر نظر اُٹھانا۔

جس جہاد کو ہوا بنا رکھا ہے اور اسلام پر حملے کئے جاتے ہیں اُس جہاد کا یہ مفہوم ہے جو گذشتہ صفوں میں بیان ہوا حضور انور نے جو کچھ تعلیم کی تھی اُس کا اثر اب تک موجود ہے اور اُس نے مدت تک دنیا میں سلطنت کی خلیفہ اول حضرت صدیق اکبر نے بھی اپنے سپہ سالار کو یہ ہدایت کی تھی جو نیچے لکھی جاتی ہے۔ "اے یزید خبردار اپنے آدمیوں میں سے ہرگز کسی کو تکلیف نہ دینا لیکن اپنے تمام کاموں میں اُنہیں اپنا جلیس اور انیس بنانا اُن سے ہر کام میں مشورہ لینا اور وہی کام کرنا جو انصاف اور راستبازی پر مبنی ہو جو لوگ ایسا نہ کریں گے وہ کبھی نجات نہ پائیں گے جب تم اپنے دشمنوں سے ملو اپنے کو آدمیوں کی طرح بناؤ اور اُن سے اپنی پشتیں نہ پھیرو اگر تمہیں فتح حاصل ہو چھوٹے بچوں کو نہ قتل کرنا نہ بوڑھے آدمیوں کو نہ عورتوں کو۔ خرمے کے درختوں کو برباد نہ کرنا نہ کھیتوں کو جلانا میوہ دار درختوں کو نہ کاٹنا نہ مویشیوں کو کچھ نقصان پہنچانا ہاں وہاں تک کہ وہ تمہاری خوراک کے لئے کافی ہوں یعنی صرف اپنی خوراک کے لئے ذبح کرنا۔ جب کبھی تم کوئی عہد و پیمان اور معاہدہ کرو تو اُس پر برقرار رہو اور ہرگز اُس سے نہ پھرو جب آگے جاؤ گے تمہیں ایسے مذہبی لوگ ملیں گے جنہوں نے دنیا سے کنارہ کشی کرکے خانقاہوں میں اپنی بود و باش اختیار کی ہے اور اپنے کو خدا کا بندہ کہتے ہیں اور یہ کہتے ہیں جس راہ پر ہم چل رہے ہیں وہی خدا کا راستہ ہے اُنہیں ہرگز قتل نہ کرنا اور نہیں اُن ہی کی جگہ چھوڑ دینا" یہ تھا جہاد اور یہ تھا اُس کا منشا اس کے مقابل میں حضرت مسیح علیہ السلام کے معتقدوں نے کیا کیا غضب ڈھائے اور مخلوق خدا کا کس قدر ستیاناس کیا۔ کیتھولک پروٹیسنٹ اور یونانیوں نے سینٹ لیک مین نیس کے زمانہ سے کوویزن ٹرس کے زمانہ تک وہ وہ ہولناک قتل عام کیا جس کے پڑھنے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ اور یہ سب کشت و خون محض مذہب کے لئے کیا گیا تھا اور کوئی دوسری وجہ نہ تھی۔ اس طویل قتل و غارت میں نہ عورتیں بچی تھیں نہ یتیم بچے اور نہ بوڑھے۔ زندہ جلایا گیا تین تین دن تک سولی پر لٹکائے رکھا حاملہ عورتوں کے پیٹ نیزوں سے چاک کئے گئے غرض کیا کیا کچھ نہیں ہوا سب کچھ ہوا اور دنیا نے دیکھا مگر اسلام کے جہاد پر اعتراض کرتے

وقت یہ ساری باتیں نظر انداز کر دی جاتی ہیں اور ان کی طرف خیال کر کے اپنے گریبان میں منہ نہیں ڈالا جاتا جو
مہم بنی مصطلق پر بھیجی گئی تھی اُس کی وجہ یہ تھی کہ اس گروہ نے اپنے سردار حارث کے اغوا سے عہد شکنی کر کے بلا وجہ مدینہ
پر تاخت کرنی شروع کر دی تھی جب وہ سمجھانے کے بعد بھی نہ سمجھے تو اُن پر حملہ کیا گیا اور اس حملہ میں مسلمانوں کو کامیابی
ہوئی۔

حج کا زمانہ شروع ہو چکا تھا اور اب حضور انور نے حج میں جانے کا ارادہ فرمایا۔ کل مسلمانوں نے اس ارادہ نبی
کی تائید کی اور اب تیاری ہونے لگی۔ سات سو آدمی انصار اور مہاجرین میں سے تیار ہوئے۔ مشرکین عرب آپ کے
ارادہ کی خبر سن کے شہر کے باہر آپڑے کہ نبی کے ستدراہ ہوں مگر جب انہوں نے یہ سنا کہ آپ مع اپنے ساتھیوں کے
نہتے تشریف لائے ہیں اور آپ کی غرض محض زیارت کعبہ سے ہے تو وہ شہر میں چلے آئے اور انہوں نے کل
راستے زیارت کے روک دیئے اور مستقل ارادہ کر لیا کہ ہم کبھی محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے پیروان کو زیارت
کے مقامات میں نہ آنے دیں گے۔ آپ مکہ کے باہر مقیم ہوئے قریش اس تاک میں لگے کہ اگر کوئی اکیلا دکیلا مسلمان
ملے تو اسے جٹنی کر جائیں۔ حضور انور نے ایک مسلمان کو قریشوں کے پاس اجازت طلب کرنے کے لئے بھیجا اس
قاصد سے مشرکین نے سخت بدسلوکی کی خود آپ پر بھی بعض اوقات پتھر مارے اخیر حضور انور نے اُنہیں دوبارہ
کہلا بھیجا کہ میں صرف زیارت کرنے آیا ہوں جو شرطیں تم کرو مجھے قبول ہیں صرف مجھے زیارت کر لینے دو حضور انور کے
کے ساتھی سب کے سب نہتے تھے۔ اور قانون ملکی کے موافق جنگ بھی نہ ہو سکتی تھی۔ آپ صرف حج کرنا چاہتے تھے اور
اسی لئے آپ نے اُن ہی کی مرضی پر فیصلہ چھوڑا بڑی وقت اور مشکل کے بعد یہ عہد نامہ ہوا۔ (۱) تمام لڑائی جھگڑے دس
برس تک بند ہیں (۲) جو شخص نبی کے پاس قریش میں سے اپنے محافظ یا آقا کی بے اجازت آئے اُسے فوراً قریش کے
حوالہ کر دیا جائے (۳) وہ شخص واپس نہ کیا جائے گا جو مسلمانوں میں سے مکیوں کے پاس چلا جائے (۴) اگر کوئی قوم
مسلمانوں یا قریشیوں سے میل جول کرنا چاہے گی تو وہ محض آزاد ہو اسے کوئی مانع نہ آئے گا (۵) مسلمان صرف حج کر کے
ہی واپس چلے جائیں (۶) وہ اس سال میں ہمیشہ مکہ آسکتے ہیں لیکن سوائے سفری اسلاح مثلاً نیام میں ہوئی تلوار
کے اُن کے پاس اور کچھ نہ ہو (ابن ہشام صفحہ ۷۴۸، ابن الاثیر جلد ۲ صفحہ ۱۵۲)

اس معاہدہ سے بعض صحابہ نے اتفاق نہیں کیا کیوں کہ اُن کے دل دکھتے ہوئے تھے اور مکیوں کے بیجا مظالم
سے اُن کا کلیجہ چھلنی ہو رہا تھا پھر بھی اُنہیں اپنے نبی معصوم کی اطاعت کرنی پڑی مگر اُس وقت اُن کی حالت سخت
دگرگوں ہو گئی جب حضرت رسالتمآب نے مکیوں کے مطالبہ پر چند مسلمانوں کو عہد نامہ کے مطابق دیدیا فطری
محبت کی وجہ تھی کہ مسلمانوں کو صدمہ ہوا لیکن نبی کے فیصلہ اور حکم کے آگے وہ دم نہ مار سکے۔ حج کے بعد حضرت
رسالتمآب مدینہ واپس تشریف لے آئے چونکہ ہے وہے کی مخالفتوں سے کسی قدر آرام ملا تھا آپ نے اردگرد کے
کے حکمرانوں کے پاس قاصد روانہ کئے کہ وہ دین اسلام کی برکتوں کو دیکھیں اور اسے قبول کریں محض دعوت
اسلام تھی اور خوشی کا سودا تھا۔ نہ کسی قسم کا جبر نہ اکراہ نہ زبردستی صرف اسی قدر کہا جاتا تھا۔ کہ اگر اسلام کو قبول کر لو

خدا دنیا اور آخرت میں برکت دے گا جن بادشاہوں کی دعوت اسلام کی گئی تھی اُن میں دو سب سے زیادہ نامور اور قوی ترین تھے۔ ایک ہرقل یونانیوں کا بادشاہ دوسرا خسرو پرویز ایران کا کسریٰ۔ خسرو پرویز نے جوں ہی یہ رقعہ دیکھا جس میں سوائے کسریٰ عظیم کے اور کچھ نہ لکھا تھا بہت ہی برافروختہ ہوا اور ہمسری کی یہ تحریر دیکھ کے آپے کے باہر ہوگیا۔ اس بدبخت نے رسول خدا کے مبارک رقعہ کو غصہ میں آکے چاک کر ڈالا۔ اور قاصد کو نہایت ناانسانیت سے دربار کے باہر نکال دیا۔ قاصد نے حضور انور کی خدمت میں حاضر ہو کے ساری کیفیت سُنا دی۔ آپ نے صرف اس قدر فرمایا کہ جس طرح اُس نے میرے رقعہ کو پھاڑا ہے خدا اُس کی سلطنت کو بھی یوں ہی پارہ پارہ کر دے گا۔ برخلاف اس کے ہرقل نے ناانسانیت کا برتاؤ نہیں کیا اور بڑی خاطرداری سے ایلچی کو رخصت کیا تھا۔ حضور انور کی یہ پیشینگوئی پوری ہوئی دنیا نے اُسے آنکھوں سے دیکھا۔ اور ہمیشہ یاد رکھے گی۔

دوبارہ حج بیت اللہ

ہجرت کے ساتویں سال کے اختتام پر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے پھر حج بیت اللہ کرنا چاہا کیوں کہ صرف ان ہی دنوں میں تمام فتنہ و فساد بند ہو جاتے ہیں اور صدیوں کی دشمنی پر پانی پھر جاتا ہے۔ حضور انور نے ... ہزار مسلمانوں کو ساتھ لے کے مکہ کا رخ کیا۔ جوں ہی مسلمان مکہ میں داخل ہوئے تمام قریش اپنے اپنے مکان خالی کر شہر کے باہر نکل گئے۔ یہ نظارہ بھی بہت ہی عبرت انگیز تھا۔ سر ولیم میور بھی اس واقعہ سے بہت ہی متاثر ہوئے ہیں چنانچہ اُن کا بیان ہے" یقیناً یہ ایک عجیب منظر تھا۔ ایک نامعلوم تحریک تمام مکہ پر چھا گئی تھی دنیا کی تاریخ میں یہ ایک بے مثال نظارہ تھا یہ پُرانا شہر تین دن کے لئے اس کے باشندوں سے خالی ہو گیا تھا۔ سارے آدمی نشیب و فراز کے رہنے والے اپنے گھروں کو چھوڑ چھوڑ کے مکہ سے باہر چلے گئے تھے ہر مکان خالی ہو گیا تھا۔ اُن کے چلے جانے کے بعد وہ مہاجرین جنہیں شہر سے خارج کر دیا گیا تھا داخل ہوئے۔ اُنہوں نے اپنے اُن گھروں کو جن میں اُن کا بچپن گزرا تھا حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا اور اس تھوڑی سی فرصت میں اُنہوں نے اپنے ارکان حج کو پورا کیا۔ قریش مکہ کی بلند پہاڑیوں پر چڑھ گئے تھے بہت سے خیموں میں مقیم تھے بہت سے پہاڑوں کے دروں میں پڑے ہوئے تھے۔ کہیں تو سامنے کے بلند ابوقبیس پر جگھٹا معلوم ہو رہا تھا اور کہیں قریب کی بلندیوں پر گروہ گروہ نظر آرہے تھے سب کی آنکھیں مسلمانوں کی طرف لگی ہوئی تھیں جو اپنے ادائے رسم کے ساتھ طواف کعبہ میں سرگرم تھے۔ کئی برس ہجرت کو ہو گئے تھے۔ ان قریشوں کو مسلمانوں کے اس گروہ میں اُن کے قریب کے رشتہ دار اور دوست نظر آرہے تھے جنہیں وہ حسرت بھری نگاہوں سے تک رہے تھے۔ قریش کے لئے یہ ایک دردناک نظارہ تھا اور اخیر اسی نظارے نے اسلام میں جان ڈال دی۔"

غرض معاہدہ کی شروط کے مطابق تین دن حج کر کے مسلمانوں نے مکہ کو چھوڑ دیا۔ اس زبردست پابندی اور اپنے عہد و پیمان پر قائم رہنے نے قریشوں پر بہت بڑا اثر کیا اور وہ مسلمانوں کی اس صلح کل حالت اور اپنے قول و قرار پر برقرار رہنے سے بہت ہی متاثر ہوئے تھے۔ نہیں یہ یقین ہو چلا کہ مسلمان بڑے ایماندار اور خدا پرست ہیں یہ اسلام کا بھی

بہت بڑا معجزہ تھا۔ کہ بڑے بڑے زبردست قریشیوں کے دل ہل گئے تھے اور اس ثابت قدمی اور استبازی کو دیکھ کے اُن کے دل اسلام کی طرف مائل ہوگئے یہ وہ لوگ تھے جو حضور انور کے تلخ ترین دشمنوں میں تھے اور اسلام کو دبا دُ کرنے میں انہوں نے مشرکین قریش کو بہت ہی مدد دی تھی۔ اخیر وہ مسلمان ہوئے اور مسلمان بھی کیسے مسلمان جن کی نظیر قیامت تک ملنی ممکن نہیں۔ مثلاً خالد بن ولید جو جنگ احد میں حضور انور کے مقابلہ میں لشکر قریش کی کمان کر چکا تھا۔ اور عمرو بن العاص جو آئندہ فاتح مصر بنا یہ دونوں بطیب خاطر مسلمان ہوئے۔

(مسلمان ایلچی کا مارا جانا اور جنگ بلقا)

عسانی شاہزادہ کے پاس دعوت اسلام کے لئے ایک قاصد بھیجا گیا تھا۔ اس شہزادہ نے نہایت نا انسانیت سے اس قاصد کو قتل کروا ڈالا تھا جس طرح سفیر یا ایلچی کا مارا جانا موجودہ زمانہ میں اعلان جنگ کا باعث ہوتا ہے اسی طرح اُس زمانہ کی بھی یہی کیفیت تھی مسلمانوں کو سخت غصہ تھا اور وہ اپنے بیگناہ بھائی کے خون کا انتقام لینے کے لئے شمشیر بدست ہو رہے تھے۔ بکثرت صحابہ کی تحریک پر اخیر ایک مہم تین ہزار آدمیوں کی روانہ ہوئی۔ مسلمانوں کی اس نقل و حرکت نے عیسائی سرزمین میں ہلچل ڈالدی بجائے اس کے کہ وہ ایلچی کے خون کا تاوان حسب قواعد دیتے اُنہوں نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے فوجیں جمع کرنی شروع کیں۔ مقام بلقا کے قریب جو شام میں ایک سرسبز شہر ہے عیسائیوں کی فوجیں جمع ہوئیں اُن کی تعداد رفتہ رفتہ ایک لاکھ تک پہنچ گئی۔ کچھ بھی برابر کا مقابلہ نہ تھا مسلمان صرف تین ہزار تھے اور یونانی ایک لاکھ۔ مسلمانوں نے پہلے پیغام بھیجا کہ ہم اپنے ایلچی کا خون بہا لینے کے لئے آئے ہیں ہمیں جنگ سے کچھ سروکار نہیں مگر اس کا جواب سخت درشتی سے دیا گیا۔ اخیر تلوار پر نوبت پہنچی جس طرح حضور انور نے ہدایت فرما دی تھی مسلمانوں نے اسی طرح صف بندی کی۔ اور بازار قتل و خونریزی گرم ہوا۔ مسلمانوں کو اپنے کثیر التعداد دشمن اور جدید آلات حرب کا کچھ بھی خوف نہ تھا۔ اُن کے آگے بہشت کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور وہ اپنے نبی کی تعمیل ارشاد پر اپنی نجات سمجھتے تھے۔ عیسائیوں نے بڑی شجاعت اور جمعیت سے پہلے دھواں دھار حملہ کیا اور اُنہیں مسلمانوں پر کامیابی ہوئی۔ مسلمانوں کے تین سردار شہید ہوئے۔ زید ابن حارث۔ جعفر حضور انور کے چچا زاد بھائی اور عبداللہ معہ اور چند سرداروں کے شہید ہوئے زید کی جنگ بھی یادگار زمانہ رہے گی۔ پہلے خوب تیراندازی ہوئی پھر نیزوں پر نوبت پہنچ گئی۔ عیسائی صلیب کے مقدس نشان کے نیچے فوجی وردیوں سے آراستہ اپنے اولوالعزم سرداروں کی ماتحتی میں نہایت ثابت قدمی اور شجاعت سے جنگ کر رہے تھے اُن کے چمکتے ہوئے خود فولادی اُن کی مرصع زرہ بکتریں اُن کے جواہر نگار ہتیار اُن کی دولتمندی اور بہادری کا نقشہ کھینچ رہے تھے۔ بہادر زید عیسائیوں کے اس جاہ و حشم کو اپنے سادہ سوتی عربی لباس اور دودہاری تلواریں نہایت جوش سے ملاحظہ کر رہا تھا۔ اُس کا جی چاہتا تھا کہ بہادر غنیم کے مقابلہ میں اپنی عربی تلوار کے جوہر دکھاؤں۔ اخیر زیادہ صبر نہ کر سکا اور جس عربی دستہ کی کمان کر رہا تھا اُسے اخیر حرکت کا حکم دیا۔ اپنے فیل پیکر گھوڑے کو مہمیزیں ماریں۔ بہادر زید کے پہلے حملہ میں دشمن کے پیر اُکھڑ گئے حالانکہ دشمن تعداد میں کئی درجہ زیادہ تھا لیکن بہادر زید کے دھواں دھار حملہ کی تاب نہ لاسکے۔ بڑی شان سے یہ مہم چہرہ پر ہنسنے

فتح کر لیا۔ اور اسی جوش سے آگے بڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ آخر قلب لشکر میں جا گھسا۔ یہاں صلیب کا نشان، ڈٹے رہا تھا اور سیحی بہادروں کا جمگھٹ اس کو گھیرا ڈالے ہوئے کھڑا تھا۔ زید نے چاہا کہ نشان دار کو مار کے اُس سے صلیبی نشان چھین لوں لیکن یہ صلیبی نشان شیر دل زید کی اولوالعزمی کے تو بہت قریب تھا لیکن آنکھوں سے بہت دور تھا۔ زید نے جب اپنے سے نشان کا فاصلہ بہت دور پایا تو اُسے سخت مایوسی کے ساتھ کچھ دیر بے حس و حرکت کھڑا رہنا پڑا آخر نوبت یہ آگئی کہ نصرانی شجاعوں نے اُسے گھیر لیا۔ کھچاکھچ تلوار چلنی شروع ہوئی بہادر نصرانی شیر دل زید کو دو ماری تلوار کے نذر ہوئے۔ کہاں تک لڑتا اور ہزاروں سواروں پر کیوں کر غالب آتا شجاعت کی پوری داد دے کے عین معرکہ جنگ میں شہید ہوا۔ نصرانیوں نے اُسے زندہ پکڑنا چاہا تھا مگر یہ ناممکن تھا کہ وہ بھرے ہوئے مجروح شیر کو گرفتار کر سکتے۔ جب حضرت جعفر حضرت علی ابن ابی طالب کے بھائی نے دیکھا کہ صلیبی نشان آگے بڑھ رہا ہے اور شیر دل زید شہید ہو چکا ہے تو نصرانیوں کی طرف جھپٹے ایک ہاتھ میں تلوار اور ایک ہاتھ میں جھنڈا۔ بڑی دیر تک لڑائی ہوتی رہی کہ نصرانی کے ایک وار سے آپ کا دایاں بازو کٹ گیا آپ نے فوراً جھنڈے کو دوسرے ہاتھ میں لے لیا۔ جب دوسرا ہاتھ بھی اُڑ گیا تو وہ جھنڈا دانتوں میں پکڑ لیا۔ پورے پچاس زخم کھا کے آپ نے بھی شہادت کا شربت پیا۔ آپ کی اس بے نظیر شجاعت نے عیسائیوں کو دہلا دیا اور اُن پر مسلمانوں کی جنگی قوت کا بہت ہی رعب غالب ہوا عبداللہ بن تمام خونی نقشہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا اُس نے للکار کے مسلمانوں سے کہا۔ "بڑھے چلو غنیم کی کثیر التعداد کا خیال نہ کرو میدان ہمارا ہو چکا ہے"۔ یہ آواز سن کے مسلمانوں کو اور بھی جوش آیا اور وہ تازہ دم سپاہیوں کی طرح قدم بڑھا کے جھپٹے۔ عبداللہ برابر بڑھا چلا جاتا تھا اور نصرانیوں کے پرے کے پرے چیر ڈالے تھے کہ یکایک ایک یونانی کے تیر نے آپ کا کام تمام کر دیا۔ خالد کی تیز تیز نظریں شہدا کی اُن جان بازیوں پر بہت دیر سے پڑ رہی تھیں۔ اُس کے شجاعانہ جوش پر ان پے در پے کی شہادتوں نے اور بھی آگ لگا دی بجائے اس کے کہ وہ تین اولوالعزم شجاعوں کی شہادت سے شکستہ خاطر ہوتا مثل شیر کے بپھر پڑا اور گھوڑے کو مہمیز لگا کے صلیبی نشان کی طرف جھپٹا۔ نصرانی بھی کٹ کٹ کے لڑ رہے تھے اور تین مسلمان سرداروں کی پے در پے کی شہادت نے اور بھی اُن کے حوصلے بڑھا دیئے تھے۔ مگر ابھی خالد کی خون آلود تلوار کی بانگی انہیں اور دیکھنی باقی تھی جوں ہی اُن کی نظر خالد پر پڑی وہ ایک جگہ سمٹ کے ہو گئے اور نصرانیوں کے سردار نے اپنی فوج کو یہ کہہ کے آگے بڑھایا۔ "میدان ہمارے ہاتھ لگ چکا ہے صرف یہ ایک کانٹا رہ گیا ہے اسے بھی نکال کے پھینک دو"۔ یہ سنتے ہی عیسائی بہادر جھپٹے خوب ہی دست بدست جنگ ہوئی جس دستہ فوج کو خالد لڑا رہا تھا تعداد میں غنیم کی فوج سے اسے کچھ بھی نسبت نہ تھی مگر خالد جیسے خطرناک دلیر کی ماتحتی میں ایک ایک دس دس پر بھاری تھا خوب ہی تلوار چلی اور تلوار کا خوب ہی کھیت پڑا۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے اور نصرانی آخر بدحواس ہو کے بھاگے یہ عظیم فتح مسلمانوں کو حاصل ہوئی مفتوحین کا بے انتہا سامان مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ اس جنگ میں مسلمان شہید بھی بہت ہوئے۔ کامل فتح کے بعد خالد مدینہ واپس چلے آئے حضور انور نے اُس بے نظیر شجاعت کے صلہ میں خالد کو سیف اللہ کا لقب عنایت فرمایا۔

مکہ کی فتح

اسی اثنا میں قریشیوں نے عہد شکنی کی اور بنو باقر کو بلا کے حدیبیہ میں داخل ہوئے اور بلاوجہ بنو خزاعہ پر جو مسلمانوں کی پناہ میں تھے حملہ کیا۔ بنو خزاعہ بہت سے مارے گئے اور امن کا شیرازہ اس طرح سے درہم برہم ہوا۔ بنو خزاعہ روتے ہوئے حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مشرکین عرب نے ہماری یہ گت بنائی خلاف معاہدہ ہمیں لوٹا مارا اور چل دیئے ہم آپ کی حفاظت میں تھے آپ ہمارا انصاف کریں۔ اب لازم تھا کہ حضور انور شرک و بت پرستی سے ہمیشہ کے لئے خدا کے گھر کو پاک کر دیں آپ دس ہزار مسلمان لے کے مکہ کی طرف بڑھے اور آپ نے حکم دیدیا کہ حتی الامکان تلوار کا استعمال نہ ہو عکرمہ نے ایک گھاٹی میں چھپ کے مسلمانوں کی اس دستہ فوج پر حملہ کیا جو خالد کی زیر کمان تھی جب کئی مسلمان شہید ہوئے تو ناچار خالد نے حملہ کی اجازت دی چند منٹ میں فیصلہ ہو گیا اور دو چار مشرکین کے مارے جانے پر عکرمہ بھاگ گیا یہ فی الحقیقت ایک بہت ہی خفیف مقابلہ تھا اور اسے جنگ سے ہرگز تعبیر نہیں کر سکتے۔ غرض حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم فاتح ہو کے مکہ میں داخل ہوئے یہی وہ مقام تھا جو آپ کا مالوفہ وطن تھا اور آپ اسی جگہ بے انتہا ستائے گئے تھے کیا کیا ظلم آپ کی اقدس و اطہر ذات پر نہیں کئے اور کیسی کیسی ناقابل برداشت تکلیفیں آپ کو نہیں دیں۔ اب کل اہل مکہ آپ کے رحم پر تھے اور آپ کے خفیف اشارہ سے کافی انتقام لیا جا سکتا تھا۔ تمام شہر جس نے بے گناہ آپ کو جلا وطن کر دیا تھا آپ کے اور آپ کے صحابہ کے قدموں کے نیچے تھا۔ آپ نے ان تکلیفوں اور شدید شدید مصائب کو دل سے بھلا دیا۔ آپ نے ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ ہر قاتل کا گناہ اور ہر ظالم کا جرم بخشا گیا۔ صرف چار آدمیوں کو سزائے موت دی گئی۔ حضور کی فوج نے جس صلح پسندی اور امن سے مکہ میں قدم رکھا وہ بھی یادگار زمانہ رہے گا۔ نہ کسی گھر کو لوٹا نہ کسی کو ستایا نہ کسی خاتون کی بے عزتی کی اور نہ کسی طرف آوازے پھینکے۔ آپ نے اہل مکہ سے مخاطب ہو کے کہا "لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین" یعنی آج میں نے اپنے قصور تم کو معاف کئے خدا جو سب سے زیادہ رحم والا ہے وہ بھی معاف کرے۔ اس کے بعد فرمایا "اذھبوا فانتم الطلقاء" یعنی جاؤ تمہیں سب کو میں نے آزاد کیا۔

مشرکین مکہ یہ سمجھتے تھے کہ ان کا شہر فتح نہیں ہو سکتا اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ یہ بت جو ہم نے بنا رکھے ہیں بڑی قدرت والے ہیں اور پھر حملہ آور کو زک دینے کے لئے کافی ہیں۔ ابرہہ کی ناکامیابی نے ان کے خیال کو اور بھی مستحکم کر دیا تھا۔ ان کا گمان حضور انور کی نسبت بھی یہی تھا کہ آپ کعبہ کو کبھی فتح نہ کر سکیں گے اب اس کے خلاف ظہور ہوا ہبل جسے احد کی لڑائی میں اپنے ساتھ لے گئے تھے اور بڑے بڑے بت توڑ ڈالے گئے۔ اب ان کی آنکھیں کھل گئی تھیں اور انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ آخر حق ہی کا غلبہ رہتا ہے۔ وہ جوق جوق آ کے مسلمان ہونے لگے اور انہیں یقین ہو گیا فی الحقیقت بت محض بیکار ہیں۔ آپ نے مکیوں سے اس اقرار پر بیعت لینی شروع کی "خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے نہ ذات میں نہ صفات میں نہ استحقاق عبادت نہ استعانت میں آئندہ سے چوری نہ کریں گے۔ حرام کاری کے مرتکب نہ ہوں گے۔ خون ناحق نہ کریں گے بیٹیوں کو نہ ماریں گے اور نہ کسی پر بہتان لگائیں گے۔ تمام جائز امور میں آپ کی اطاعت و فرمانبرداری کریں گے"۔ عورتوں سے بھی اسی مضمون پر بیعت لی مگر اتنا اور زیادہ کیا کہ کسی کے

سوگ میں منہ نہ نوچیں گے نہ پیٹیں گے نہ چھاتی کوٹیں گے نہ سر کے بال کھسوٹیں گے نہ گریبان چاک کریں گے نہ سیاہ کپڑے پہنیں گے۔ نہ غل مچا کے روئیں گے نہ قبروں پر سوگواری میں بیٹھیں گے" غرض اس طرح خدا کا وعدہ نصرت پورا ہوا۔ جو خدا نے فرمایا تھا اذا جاء نصر اللہ والفتح ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا فسبح بحمد ربک واستغفرہ انہ کان توابا یعنی جب خدا کا وعدۂ نصرت پورا یعنی مکہ فتح ہو جائے اور تو لوگوں کو دین خدا میں فوج فوج داخل ہوتا ہوا دیکھے تو اپنے پروردگار کی حمد بجا لا اور اس سے طلب آمرزش کر (گنہگاروں کے لئے) کیونکہ بے شک خدا معاف کر دینے والا ہے۔

حضور انور نے رباح کو حکم دیا کہ اسی کعبہ پر چڑھ کے جس میں لات و منات۔ عزیٰ و ہبل کی حمد و ثنا کے شب و روز غلغلے ہوتے تھے اور ان کی مدح میں قصیدے پڑھے جاتے تھے بلند آواز سے یہ کہہ" اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اشہد ان لا الہ الا اللہ اشہد ان محمدا رسول اللہ اشہد ان محمدا رسول اللہ جوں ہی یہ مقدس آواز گونجی خدا کے جلال سے تمام کوہ و دشت اور بیابان بھر گئے۔ حضور انور نے اپنے دست مبارک سے تمام بتوں کو توڑا۔ آپ جس وقت بتوں کو توڑ رہے تھے یہ فرماتے جاتے تھے جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا جب آپ سب بت توڑ چکے اور جہاں تک آپ کا ہاتھ پہنچتا تھا سب کا صفایا کر دیا تو آپ نے ان بتوں کی طرف توجہ فرمائی جو ذرا بلندی پر نصب تھے اور وہاں آپ کا دست مبارک نہیں پہنچ سکتا تھا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا کہ میرے کندھوں پر پیر رکھ کے کھڑے ہو جائیے اور ان بتوں کو توڑ ڈالئے آپ نے ارشاد کیا نہیں بلکہ تم میرے دونوں کندھوں پر پیر رکھ کے کھڑے ہو جاؤ ظاہر اس سے غرض یہ تھی کہ نبوت کا بوجھ تم نہیں سنبھال سکتے غرض حضرت علی فرمودۂ رسول کے مطابق کھڑے ہوئے اور تمام بتوں کو توڑ ڈالا۔ کعبہ میں فرشتوں اور پیغمبروں کی تصویروں کے مٹانے کے لئے حضرت عمر کو حکم ہوا آپ نے کل تصویروں کو مٹا دیا پیغمبروں کی تصویریں باقی رہی تھیں کہ انہیں خود رسالتمآب نے ملیامیٹ کر دیا۔

(۹ھ مطابق ۲۰ اپریل ۶۳۰ء سنہ ۱۹ اپریل ۶۳۱ء سنہ تک)

حضور انور فتح مکہ کے بعد مدینہ واپس چلے آئے۔ اور پھر چاروں طرف سے مختلف قبایل کی سفارتیں آنی شروع ہوئیں بغاوت اور خونریزی کی گھٹا صاف ہو چکی تھی اور توحید خدا کی ڈونڈی پٹ گئی تھی۔ مختلف قبائل کے ایلچیوں کا مدینہ میں ورود ہونے لگا۔ حضور انور کے ارشاد کے بموجب صحابہ ان سفرا کو اپنے ہاں مہمان رکھتے تھے اور عربی قاعدہ کے بموجب ان کی پوری آؤ بھگت کی جاتی تھی۔ ہزاروں مسلمان ہونے لگے۔ اور بڑے بڑے شیوخ قبائل نے حضور انور کے دست مبارک پر بیعت کی۔ حضرت رسالتمآب نے یہ قاعدہ مقرر فرما دیا کہ جب کوئی نیا قافلہ آئے ایک اسلامی واعظ خاص طور پر ان کے لئے مقرر ہو اور انہیں اسلام کے روشن اصول کی تعلیم دے۔ حضور کے ارشاد کی بڑی سرگرمی سے تعمیل ہوئی اور صحابہ نے بڑی مستعدی سے وحشی عربوں کو اسلامی اصول کی تلقین کرنی شروع کی۔

رومی ابھی تک عربوں کی طرف سے غافل تھے ان کے دماغوں میں پہلی فتوحات عرب بس رہی تھی جو گشش

جنرل کی ماتحتی میں انہیں زمانہ سابق میں حاصل ہو چکی تھیں وہ عربوں کو لاشئے محض سمجھتے تھے اور انہیں یقین تھا کہ جب چاہیں گے آسانی سے قبضہ کر لیں گے۔

ہرقل ایرانیوں پر نمایاں فتح حاصل کر کے اپنے پایۂ تخت کو واپس ہو چکا تھا اور عربوں کی حال کی فتح نے اُسے چوکنا بنا دیا تھا۔ پایۂ تخت میں پہنچتے ہی اُس نے ماتحت رئیسوں اور جاگیرداروں کے نام احکام جاری کر دیئے کہ فی الفور لشکر کثیر جمع کیا جائے اور جہاں تک جلد ممکن ہو اس نوپید اسلامی قوت کو برباد کر دیا جائے۔ ادھر فوجوں کا جمع ہونا اور اُدھر سلطنت مشرقی کی عظمت اور دولت کی افواہوں نے مسلمانوں کو اندیشہ میں ڈال دیا سوائے اسکے کہ رومی اتنی لا تعداد فوج رکھتے ہیں اور ایسے دولتمند ہیں اور اتنے قوی ہیں دوسری باتیں مسلمانوں کے کانوں میں پڑی رہتی تھیں جب حضور انور نے سنا کہ حدود عرب پر رومی افواج کا اجتماع ہو رہا ہے اور وہ عرب پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ تو حفظ ماتقدم کے لئے حضور انور تھوڑے سے مسلمانوں کو ساتھ لیکے روانہ ہوئے رجب کا مہینہ تھا شدت سے گرمی پڑ رہی تھی اور آفتاب کا پورا شباب تھا اسی قیامت خیز موسم میں بڑی سخت مسافت طے کر کے حضور انور تبوک میں داخل ہوئے جو مدینہ منورہ اور دمشق کے بیچ میں ایک سرحد مقام تھا یہاں آپ نے رومی فوجوں کا مطلق اجتماع نہیں دیکھا بیس دن تک آپ نے قیام فرمایا اور یہ بات محض ناجائز سمجھی کہ بطور خود جنگ کا اعلان دیں۔ حضور انور نے کبھی کسی قوم سے جنگ نہیں کی جب تک اس نے عہد شکنی نہ کی ہو یا خود آمادہ جنگ ہو کے حملہ نہ کیا ہو آپ بیس دن قیام فرما کے مدینہ واپس تشریف لے آئے۔ رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہو چکا تھا اور گرمی کی شدت میں اور بھی رنگ چڑھ گیا تھا سنگلاخ چٹانوں کی تپش اور گرم لوئیں آفتاب کے شباب کی شہادت دے رہی تھیں مدینہ میں پہنچنے پر آپ کو معلوم ہوا کہ ایک سفارت مشرکین طائف کی طرف سے آئی ہوئی ہے۔ یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے نہایت ظالمانہ طور پر نبی معصوم کو پتھر مارے تھے اور ایک تنہا بے یار و مددگار کی سطح گویا مہمان داری کی تھی۔ سفارت آنے کی یہ وجہ تھی کہ ایک طائفی سردار مسلمان ہو کے اپنے بھائیوں کو دین حق کی تلقین کرنے کیلئے پھر طائف ہی چلا گیا تھا۔ وہاں اُس کے اسلامی وعظ سے قوم میں ایک جوش پیدا ہو گیا اور اخیر اہل طائف نے نہایت بیدردی سے اُسے تیر مار کے شہید کر ڈالا تھا۔ زخموں سے اُس کا جسم چور چور ہو گیا تھا اور سیروں خون بہہ گیا تھا جب زمین پر گر پڑا ہے تو اُس نے مرتے وقت یہ کہا تھا۔

"میں نے خدا کے نام پر مخلوق کی بہتری کے لئے جان دی ہے خدا کا شکر ہے کہ اُس نے شہادت کی عزت مجھے بخشی۔"

اے میرے دوستوں اور بھائیوں میری التجا یہی ہے کہ مجھے اُن مسلمانوں کے پہلو بہ پہلو دفن کرنا جو غزوہ حنین میں شہید ہوئے ہیں۔"

ان الفاظ کے بعد اُس کی وفات ہو گئی۔ اُس کے ان آخری الفاظ نے سننے والوں پر جادو کا اثر کیا۔ اُنکے کلیجے ہل گئے۔ اُس کا خون آلودہ چہرہ اور اُس پر شہادت کی سرخی نے تمام معائنہ کرنے والوں کو اُن کے قدیم عقائد سے جنبش دے دیا تھا۔ ایک سچے خادم نبی کے خون کی بوندیں بڑی قیمت رکھتی ہیں۔ اس فدائی اسلام کے سرزمین طائف میں خون

گرنے کی تاریخ سے اسلام نے نہایت مضبوطی سے قدم جمالئے۔ اہل طائف کے دل نرم ہوگئے۔ اور وہ مسلمان ہونے کے لئے بیتاب ہوئے اخیر اُنہوں نے ایک سفارت روانہ کی جس نے یہ عرض کیا یا رسول اللہ ہماری خطابخشی جائے اور ہمیں اجازت دیجائے کہ ہم سچے دل سے دائرہ اسلام میں داخل ہوں اور ساتھ ہی ہماری یہ بھی التجا ہے کہ ہمارے دیوتاؤں کو کچھ مدت تک اسی طرح برقرار رکھا جائے۔ پہلے دو برس کی مہلت مانگی پھر برس دن کی پھر چھ مہینے کی مگر اخیر یہ ساری باتیں فضول ثابت ہوئیں خدائے واحد کی پرستش اور بتوں کا قایم رہنا محض ناممکن تہا۔ وہ خود ہی راہ پر آگئے اور ایک ہی مہینے کے بعد اُنہوں نے اجازت دے دی کہ بتوں کو توڑ ڈالا جائے۔ پھر اُنہوں نے یہ عرض کیا کہ پنج وقتہ نماز ہم پر معاف کردیجائے حضور انور نے ارشاد کیا کہ اگر نماز نہیں تو اسلام نہیں یہ بات اُن کی قبول نہیں ہوئی۔ طائف کے بتوں کو توڑنے کے لئے مظلوم شہید کا بھتیجا مقرر کیا گیا چچا کے مقدس خون کی بوندوں نے یہ کرامت دکھائی کہ چند روز کے بعد اُس کا بھتیجا بت شکن کے معزز لقب سے ممتاز ہوا جس وقت بت توڑے جا رہے تھے عورتیں بہت ہی رو رہی تھیں اور اُنہیں سخت صدمہ تہا۔ ایک شور برپا ہوگیا تہا۔ اور عورتیں غل مچا مچا کے کہہ رہی تھیں ہمارے معبودوں کو نہ توڑو۔

طائف کے اسلام قبول کرنے کے بعد قبیلہ طے کے لوگ آمادۂ فساد ہوئے اور اُنہوں نے مدینہ کی حدود پر حملہ کی تیاری کی حضور انور نے تھوڑے مسلمان حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ماتحتی میں روانہ کئے اور حکم دیا کہ اگر بغیر تلوار چلے وہ مان جائیں تو سب سے بہتر ہے پہلے اُنہیں اصول اسلام کی تلقین کی جائے اور توحید کا سیدھا راستہ دکھایا جائے۔ قبیلہ طے کا سردار مشہور حاتم کا بیٹا عادی تہا جوں ہی اُس نے حضرت علی کے آنے کی خبر سُنی وہ بھاگ کے شام چلا گیا اور ایک خفیف مقابلہ کے بعد حاتم کی بیٹی معہ چند اور لوگوں کے مسلمانوں کے قبضہ میں آگئی۔

جب یہ قبیلہ مدینہ میں داخل ہوا ہے حضور انور نے ان لوگوں کی بڑی عزت کی اور آپ بے انتہا خاطرداری سے پیش آئے حاتم کی بیٹی پر گوناگون نوازشیں کرکے رہائی دیدی۔ وہ رہائی پاتے ہی سیدھی شام اپنے بھائی کے پاس آئی اور حضرت رسالتمآب کے اخلاق و رحم کا حال مفصل بیان کیا یہ سنتے ہی حاتم کا بیٹا مدینہ منورہ میں حاضر ہوا حضور انور کے قدموں پر گر پڑا اور سچے دل سے مسلمان ہوگیا۔ پھر وہ اپنی قوم میں چلا گیا اور اُس نے دین اسلام کی فضیلت بیان کی غرض چند روز میں ساری قوم کی قوم کو مسلمان کرلیا۔

(کعب بن زبیر شاعر)

یہ شخص جیسا بے نظیر شاعر تہا اُسی قدر اسلام کا دشمن تہا۔ شب و روز اُسے یہی کام رہتا تہا کہ مسلمانوں کے ہجویہ اشعار موزون کرے۔ اور اپنی برجستہ نظم سے قبائل عرب میں مسلمانوں کے خلاف دشمنی کی آگ بھڑکائے۔ اس کے اشعار نے مسلمانوں کو ایک حد تک بہت ہی صدمہ پہنچایا تہا اور بہت سے بے گناہ مسلمانوں کی شہادت کے باعث اسی کے اشعار ہوئے تھے۔ اسی اثنا میں کعب کا سگا بھائی مسلمان ہوچکا تہا ایک دن اُس نے اپنے بھائی سے کہا کہ تو کیوں مسلمانوں کے خلاف اتنا سرگرم ہے۔ تجھے نبی عربی کے حالات کا ذاتی علم نہیں ہے اُس کی کامیابی خود اُس کی صداقت کی شہادت دے رہی ہے۔ وہ رحم کا پتلا ہے اپنے دشمنوں پر بھی رحم ہی فرماتا ہے اُس کی برکتیں عالم پر

خدا کا ہاتھ اُس کے ساتھ کام کرتا ہے۔ اُس کی مخالفت کبھی سرسبز نہیں ہوتے کی جس نے اُس کی مخالفت کی اُسی نے نیچا دیکھا۔ تو کیوں اپنے حق میں کانٹے بوتا ہے اور کیوں اپنی عاقبت خراب کرتا ہے۔ وہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہتا کہ خدائے مطلق کی پرستش کی جائے۔ اُس کے معتقد اُس پر فریفتہ ہیں اور جان فدا کرتے ہیں اُن کے قلوب تسخیر ہو چکے ہیں اور اُنہوں نے اُسی کی جائز اطاعت میں نجات دیکھی ہے۔ تو چل کے دیکھ تو تجھے معلوم ہو کہ کسی بادشاہ کا بھی ایسا دربار نہ ہوتا ہوگا۔ سب اُس کے آگے باادب بیٹھتے ہیں اور بہت توجہ سے اس کی باتیں سنتے ہیں اس کا فدائیانہ عشق ایک ایک کے دل پر نقش ہو گیا ہے۔ جب تو وہاں جائے گا تو عجیب منظر دیکھے گا ایک کمل پوش شخص کے آگے بڑے بڑے سرداران قریش کو جھکتا ہوا پائے گا۔ قول کی صداقت۔ معاملات کی صفائی۔ گفتگو میں غیر جانبداری ملاحظہ کرے گا جو کہتے ہیں وہ کرتے ہیں اُن کا قول و فعل یکساں ہے۔ اس برجستہ تقریر نے کعب کے دل پر امید سے زیادہ اثر کیا بت پرستی کی تاریکی اُس کے دل و دماغ سے دور ہونے لگی اور وہ نادیدہ عاشق ہو گیا۔ اب اُس نے بیتابانہ حضور انور کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا لیکن اُسے یہ خوف تھا کہ یاد ہیں ہلاک کیا جاؤں کیونکہ میں نے نبی اور آپ کے پیروان کو بہت ہی ستایا ہے۔ اُس کے بھائی نے کہا تو نبی کے رحم پر بھروسہ کر اور اطمینان رکھ کہ تیری طرف کوئی آنکھ بھر کے بھی نہ دیکھے گا۔ تیری خاطرداری ہوئی اور تجھ پر خود حضور انور نوازش فرمائیں گے۔ بھروسہ اور اطمینان سے پُر منزلیں طے کرتا ہوا مدینہ میں داخل ہو کے سیدھا اُس مسجد میں آیا جہاں حضور انور تشریف رکھتے تھے یہاں اُس نے ایک عجیب منظر دیکھا ایک شخص کو بہت سے لوگ گھیرے ہوئے بیٹھے ہیں اور نہایت ادب اور عزت سے مستغرق ہو کے بہت خاموشی سے اُسکی باتیں سن رہے ہیں۔ بغیر کسی سے دریافت کئے کعب پہچان گیا کہ یہی نبی معصوم ہیں کیونکہ خدا کا جلال آپ کے روشن چہرہ سے نمایاں ہو رہا تھا۔ کعب نے حضور انور کے آگے کھڑے ہو کے یہ عرض کیا یا نبی اللہ اگر اس وقت کعب بن زہیر حضور کی خدمت میں حاضر ہو تو حضور اس کی خطا معاف فرما دیں گے ارشاد ہوا ہاں اُس کے جرائم معاف کئے جائیں گے پھر عرض کیا کہ وہ کعب میں ہی ہوں یہ سنتے ہی صحابہ کے تیور بدلے اور اُنہیں بہت ہی جوش آیا اور چاہا کہ گزشتہ بدکرداری کا اُس سے انتقام لیا جائے۔ صحابہ کا یہ جوش حق بجانب تھا کیونکہ کعب سے اُنہیں تکلیفیں بہت ہی پہنچ چکی تھیں مگر حضور انور نے ارشاد کیا میں اُس کی خطائیں معاف کر چکا ہوں یہ سنتے ہی سب دم بخود ہو گئے اور محبت آمیز نظروں سے کعب کو دیکھنے لگے۔ پھر کعب نے اجازت چاہی کہ میں اپنا ایک قصیدہ پڑھنا چاہتا ہوں ارشاد ہوا پڑھو کعب نے قصیدہ پڑھنا شروع کیا لیکن جوں ہی اُس نے یہ شعر پڑھا۔

ان الرسول لنور یستضاء بہ ٭ وصارم من سیوف اللہ مسلول

یعنی پیغمبر وہ مشعل ہے جس نے دنیا کو روشن کر دیا ہے اور وہ ایک تلوار ہے جو بیدینی کا ستیاناس کرتی ہے یہ سنتے ہی حضور انور نے اپنا خرقہ مبارک اُتار کے کعب کو مرحمت فرمایا۔[1] یہ تھا علم اور یہ تھی مجرمانہ خطاؤں سے درگزر بخشت

---

[1] اس خرقہ شریف کو کعب کے خاندان نے امیر معاویہ کے چالیس ہزار درہم کو ہبہ کیا جب خاندان بنو اُمیہ صفحہ ہستی سے مٹ گیا تو بنو عباس کے قبضہ

رہیں وہ جو اس رحم مجسم پر خونریزی کے الزام لگاتے ہیں او ر ایسا مذہب ہے ہی وہ جنھیں یہ صریح رحم نہیں نظر آتا جس نے اپنے لخت جگر کے قاتل کو معاف کر دیا ہو وہ کب گوارا کرے گا کہ بے گناہ مارے جائیں اور ان پر خواہ مخواہ جہاد کیا جائے اُسنے ہمیشہ اپنی حفاظت میں تلوار اُٹھائی ہے مگر پھر بھی مختلف غزووں سے کوئی شخص یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ نبی کی تلوار سے کوئی مقتول و مجروح ہوا ہمیشہ آپ نے بڑے بڑے سنگین معرکوں میں کمان کی ہے لیکن کبھی دشمن کے مقابلہ میں تلوار کا استعمال نہیں کیا غزوۂ احد میں جب خالد نے پتھر مارا ہی اور نیزہ کا وار کیا ہے آپ نے اُس وقت بھی تلوار نہیں نکالی آپ کا یہ رحم تھا جس سے دشمن بھی دوست بنجاتا تھا یہی ایک نبی ہوا ہے جس نے اپنے دشمنوں کے حق میں بھی دعائے خیر کی ہے۔ سب بے وطن حضور ہی کے ہاں مہمان ہوتے تھے اور آپ کا چھوٹا سا گھر پردیسیوں اور بے گھروں کے لئے ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔ تاریخی واقعات کے مٹانے کی کوشش نہ کرو۔ آنکھیں کھول کر دیکھو اور واقعات کی تطبیق کر کے اُس سے نتیجہ نکالو تعصب کی عمر پائیدار نہیں ہوتی۔ جہاد جو در اصل خطرناک ظالم دشمن سے اپنی حفاظت کرنے کا نام ہے اُسے ہوا نہ بناؤ اور خواہ مخواہ اُسے خونریزی کا جامہ نہ پہناؤ خود اپنی حالت پر آپ رحم کرو اور عمداً اپنے کو گمراہ نہ بناؤ۔ آہ اے تعصب آہ تو نے تحقیق اور صداقت پر ہمیشہ تاریکی پیدا کی ہے اور تو کبھی حق تک نہیں پہنچنے دیتا

میں آیا اور ایک زمانہ کے اُلٹ پھیر کے بعد خاندان آل عثمان کے پاس پہنچا۔ کئی بار سخت نازک موقعوں پر جنگی پھریرے کے طور پر اس کا استعمال ہوا ہے۔ یہ خرقہ قسطنطنیہ میں خاص سلطان وقت کی حفاظت میں رہتا ہے۔ سلطان وقت مقررہ پر اپنے ہاتھ سے کھولتا ہے اور عطریات وغیرہ لگا کے پھر اسی طرح رکھدیتا ہے۔ یہ مبارک خرقہ کبھی اور کسی وقت باہر نہیں نکالا جاتا۔ ہاں ایک ایسے خطرناک موقع پر نکالا جاتا ہے۔ جب تخت ہی پر آ بنتی ہے۔ کئی بار یہ خرقہ جنگ کے پھریرے کی صورت میں نکل چکا ہے۔ جاں نثاریوں کی بغاوت میں بھی نکالا گیا تھا اور اس کے نکلتے ہی ترکوں میں ایک جوش پیدا ہوا اور سب نے ملکے جاں نثاریوں کے ہاتھ سے تخت سلطنت کو نجات دی۔ علاقہ کے محاصرہ کے وقت بھی یہ نکالا گیا تھا جس سے مسلمانوں کو اُمید سے زیادہ کامیابی ہوئی تھی ۱۸۷۷ء کی روم و روس کی جنگ میں بھی موجودہ حکمراں دولت ترکی نے نکالنا چاہا تھا اور یورپ کو اس خبر سے سخت انتشار ہوا تھا مگر آخر صلح ہو گئی اور اس خرقہ شریف کے نکلنے کی نوبت نہ آئی۔

جس قصیدہ کے صلہ میں کعب کو یہ خرقہ شریف عطا ہوا تھا اُسے قصیدہ بردہ کہتے ہیں۔ مگر اور بھی چند قصایدہیں جو قصاید بردہ کے نام سے مشہور ہیں اور جنکا مصنف ابو عبد اللہ محمد بن سعد ہے جس نے ملک ظاہر کی عروج سلطنت میں یہ قصائد تصنیف کئے تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی ایک قصیدہ بردہ ہی جو شرف الدین بوصیری نے تصنیف کیا تھا۔ اور یہ بھی نعت ہی میں تھا جب قصیدہ کہہ چکا تو شرف الدین نے خواب میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور اپنا قصیدہ سنایا حضور انور نے خوش ہو کے اپنا خرقہ شریف شرف الدین کو اوڑھا دیا صبح کو جب اُسکی آنکھ کھلی تو دیکھا مرض برص کا نام و نشان بھی نہیں ہے اور بالکل تندرست ہے۔ برص کی اس قدر شدت ہوئی تھی کہ اطبا جواب دے چکے تھے اور کوئی اُمید شرف الدین کو تندرست ہونے کی نہ رہی تھی حضور انور کے معجزے سے خدا نے حقیقی نے اُسے بھی شفا بخشی۔

مگر موجودہ زمانہ میں بھی اور گزشتہ عصر میں بھی کعب بن زہیر ہی کا قصیدہ مقبول رہا۔ اس کی یہی ایک خاص وجہ تھی کہ حضور انور نے خود گوش گزار فرمایا اور اپنا خرقہ شریف صحابہ کے مجمع اور مسجد نبوی میں بیٹھ کے اپنے دست مبارک سے پہنا نا عام طور پر تمام اسلامی ممالک میں اس قصیدے

بت پرستوں کو کعبہ میں آنے کی ممانعت

کعبہ فتح ہو چکا تھا بت توڑ ڈالے گئے تھے مگر ابھی بت پرست برابر جمع ہوتے تھے اور اپنے ارکان مذہبی اپنے اصول
بت پرستی کے موافق ادا کرتے تھے۔ اصل میں یہ ایک نہایت ہی نازیبا بات تھی جبکہ خانہ خدا بتوں سے صاف ہو چکا ہو اور پھر
بھی اس میں بت پرستی کی رسمیں جاری رہیں حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ بت پرستی کی رسم کعبہ
سے بالکل مٹا دیجائے اور سوائے خدائے واحد کی پرستش کے اور کوئی پرستش خدا کے گھر میں نہ ادا کی جائے حضور انور
نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اس کام کے لئے مقرر فرمایا کہ آپ جا کے نبی معصوم کی طرف سے مفصلہ ذیل اعلان
خاص یوم النحر میں پڑھ کے سنا دیں۔ (وہ اعلان یہ ہے) "اس سال کے بعد کوئی مشرک یا بت پرست زیارت کعبہ نہ کرنے
پائے گا کوئی شخص برہنہ ہو کے طواف کعبہ نہ کرنے پائے گا جس نے نبی کے ساتھ عہد و پیمان کر لیا ہو وہ ہمیشہ
اسکا پابند رہیگا۔ باقیماندہ لوگوں کو چار مہینے کی مہلت دی جاتی ہے کہ وہ مکہ کی حدود سے نکل جائیں اس مدت گزرنے کے
بعد کسی کا عذر نہ سنا جائے گا۔ سوائے ان کے جن سے عہد و پیمان ہو چکا ہے" (ابن ہشام صفحات ۹۲۲-۹۲۱ ابن الاثیر
جلد ۲ صفحہ ۲۲۲ ابوالفدا صفحہ ۸۷) یہ اعلان بڑی حکمت بالغہ پر مبنی تھا کیونکہ جن مشرکین کو کعبہ میں آنے سے روکا گیا تھا
اُن میں انسانی قربانی کی ہولناک رسم ابھی تک موجود تھی اور وہ علے الاعلان اپنے بتوں کے قدموں پر بیگناہ انسانوں کو
ذبح کیا کرتے تھے اور اپنی عبادت کی ساری شرمناک رسمیں آزادی سے ادا کرتے تھے اس اعلان نے اُن میں کھلبلی پیدا
کر دی۔ آپ نے حکم دیدیا کہ آئندہ سے انسانی قربانی نہ ہونے پائے اور ایسے گروہ یا شخص کے لئے سخت سخت
سزائیں مقرر کیں۔ اخیر عرب کی سرزمین سے یہ غضبناک رسم ہمیشہ کے لئے جاتی رہی۔

تکمیل نبوت

سنہ ۱۰ ہجری مطابق ۱۰۔ اپریل سنہ ۶۳۱ عیسوی سے ۲۹ مارچ سنہ ۶۳۲ء تک

یمن اور حجاز کے رئیسوں کی جتنی سفارتیں باقی رہ گئی تھیں وہ اس سال چلی آئیں اور اُنھوں نے اپنی اپنی قوم کی
طرف سے فدویت نامے پیش کئے اور سب کی شرف باسلام ہونے کی خوشخبری سنائی۔ حضور انور جن واعظوں کی
تلقین اسلام کے لئے مختلف حصص عرب میں روانہ فرماتے تھے اُنہیں یہ ہدایت فرما دیا کرتے تھے۔ "لوگوں سے بہت
شرافت اور نرم مزاجی سے پیش آنا۔ ہرگز تند خوئی کو کام میں نہ لانا۔ ان پر آفریں بھیجنا۔ نفریں نہ کرنا۔ تم اُن لوگوں سے ملو گے
جو اہل کتاب ہیں وہ تم سے سوال کریں گے اور دریافت کریں گے کہ نجات کی کنجی کیا ہے اُنھیں یہ جواب دینا کہ نجات کی
کنجی یہ ہے کہ خدا کو ایک جانے اور نیک کام کرے"۔

اب حضور انور کی نبوت کا ماحصل نکل آیا تھا اور جو برکتیں کہ اس سے حاصل ہونی تھیں سب ہو چکی تھیں یعنی وحشیوں
میں تمدن اسلامی نے اپنا گھر کر لیا تھا۔ شرمناک رسمیں اور ناکارہ عقاید برباد کر دیئے گئے تھے۔ خدا کی مخلوق کا ہر حصہ
نیکی کو نیکی اور برائی کو برائی سمجھنے لگا تھا اور خدا کی سچی مرضی مخلوق خدا کو پوری پوری معلوم ہو گئی تھی۔ اپنی وفات سے پہلے

بقیہ صفحہ ۳۰۶ - کی بڑی عزت کیجاتی ہے اور اسے بطور وظیفہ کے پڑھا جاتا ہے اکثر مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ سخت سے سخت آفت اسکے پڑھنے سے ٹل جاتی ہے اور ہر مشکل [illegible] بقیہ صفحہ [illegible] پر

حضورِ انور نے اور بھی ایک بار حج بیت اللہ کرنا چاہا چنانچہ آپ ۲۵ ذیقعد ۲۳ - فروری ۶۳۲ع کو مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اس وقت آپ کے ہمرکاب نوّے ہزار سے ایک لاکھ چالیس ہزار مسلمان تھے۔ آپ بخیر و عافیت مکہ پہنچے اور ارکان حج ادا کرنے سے پہلے آپ نے جبل عرفات پر کھڑے ہو کے دیر تک ایک پُر اثر وعظ فرمایا جس کا ماحصل یہ ہے۔ یا ایہا الناس اسمعوا قولی" (یعنی اے مسلمانوں میری بات سنو) میں نہیں جانتا شاید اس سال کے بعد اس موقع میں میں تم سے مل سکوں۔ تمہاری زندگی اور مال غیر ممکن الفتح اور پاک و مستحکم تم میں اُس دن تک ہے جب تم خدا کے آگے حاضر ہو گے جو تمہارے کاموں کا تم سے مطالبہ کرے گا۔ اے لوگو تمہارے حقوق تمہاری بی بیوں پر ہیں اور اُن کے تم پر ہیں۔ اپنی بی بیوں سے مہربانی سے پیش آنا۔ یقیناً خدا کی کفالت اور ضمانت سے ہم نے اُن پر قبضہ کیا ہے۔ خدا تم میں اور اُن میں کفیل ہے تاکہ تم اُن سے بانصاف پیش آؤ۔ دیکھو تم اپنے غلاموں کو وہی کھلاؤ جو تم آپ کھاتے ہو اور وہی کپڑے پہناؤ جو تم آپ پہنتے ہو۔ اگر وہ کوئی ایسی خطا کریں جسے تم معاف نہ کرو تو انہیں آزاد کر دو اس لئے کہ وہ بھی خدا کے بندے ہیں اور وہ اس لئے نہیں ہیں کہ اُن سے سنگدلی اور ناانسانیت سے پیش آؤ۔ اے لوگوں میری بات سنو اور اُس کو سمجھو کہ سب مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں جو چیز کہ ایک شخص کی ہے وہ اُسی کی ہے ہاں جب تک کہ اپنی خوشی سے کسی کو نہ دے قانوناً کوئی اور اُس کا مالک نہیں ہو سکتا۔ دیکھو اس بات سے اپنی حفاظت کرتے رہو کہ تم سے ناانصافی نہ ہو جائے۔ جو شخص میری یہ باتیں سن رہے ہیں وہ اُن لوگوں سے کہیں جو اس وقت موجود نہیں ہیں وہ شخص جو کسی سے کہیگا اُس شخص کی نسبت جس نے سنا ہے اچھا یاد رکھے گا۔ نبی معصوم نے ان الفاظ پر اپنا وعظ ختم فرمایا۔ اے میرے حقیقی مالک جو کچھ مجھے تیرا پیغام پہنچانا تھا پہنچا چکا اور اپنا فرض پورا کر چکا (مسلمانوں کے جم غفیر سے یہ آواز آئی۔ اے نبی اللہ یقیناً تو اپنے اہم فرائض کی تکمیل کر چکا) اے میرے مالک تجھے التجا کرتا ہوں کہ تو اس امر کا گواہ رہیو۔

ان الفاظ پر رسول خدا نے اپنا وعظ ختم فرمایا وہ وعظ جو روایات کے بموجب نہایت سرگرمی اور فصاحت سے بڑی دیر تک کہا گیا۔ ارکان حج ختم کرنے کے بعد آپ مع اپنے ہمراہیوں کے مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

۱۱ ہجری مطابق ۲۹ مارچ ۶۳۲ء سے ۱۸ مارچ ۶۳۳ء تک

آپ کی مبارک زندگی کا آخری سال مدینہ منورہ ہی میں ختم ہوا۔ آپ نے اُن صوبوں میں جہاں اسلام پھیل گیا تھا باقاعدہ

سے مشکل کام اسکے مدد سے حل ہو جاتا ہے۔ اکثر لوگ پڑھا کرتے ہیں اور ان کا بیان ہے کہ ہم کامیاب ہوتے ہیں۔ اس قصیدے کے مضامین فی الحقیقت نہایت دلکش ہیں اور واقعات کا سچا نقشہ کھینچا ہے۔ حضور انور کی بیجا تعریف ایک مصرعہ میں بھی نہیں ہے آپکے عادات و اطوار خلق و مسلم اور عبادت کا کھلا کھلا بیان ہے ہر شعر کی خوبی پڑھنے والے سے دریافت کیجائے۔ ایک ایک لفظ میں شیرینی بھری ہوئی ہے۔ مبارک ہیں وہ اشعار جو خود نبی معصوم نے گوش گزار فرمائے اور انہیں پسند کیا۔ یہی اس قصیدہ کی مقبولیت کی بڑی بھاری وجہ ہے اور اسی لئے مسلمان اسے آنکھوں پر رکھتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ کی برکتیں عالم پر جب رحمت کی نظر ہو جائے اسی کا بیڑا پار ہے۔ کعب اگر حالت کفر میں مرجاتا تو دنیا اس کے نام سے بھی واقف نہ ہوتی مگر یہ فخر اسلام میں داخل ہو کے اسے حاصل ہوا ہے کہ تیرہ سو برس گذر جانے کے بعد بھی کروڑوں آدمیوں کی زبان پر اُسکا نام اور کلام باقی ہے۔ اس سے زیادہ اور کیا اسلام کا معجزہ ہو سکتا ہے ۱۲۔

انتظام مقرر فرمایا۔ گو ابھی تک شام اور عراق عرب کے حصوں میں عیسائی موجود تھے لیکن اور تمام عرب مسلمان ہو گیا تھا۔ اسلامی واعظین بڑی بڑی قوموں میں روانہ کر دیئے گئے تھے تاکہ ان لوگوں کو اسلام کی تعلیم دین اور مساوات کا قانون سکھائیں۔ آپ نے یمن میں جب معاذ بن جبل سردار کو بھیجا ہے تو یہ ہدایت فرما دی تھی "اگر ایسے معاملات آئیں جن کا ذکر قرآن میں موجود نہیں ہے تو اپنی رائے سے فیصلہ کرنا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ جب یمن بھیجے گئے تھے تو انہیں بھی یہ ہدایت کر دی تھی" اے علی جب دو گروہ تیرے پاس انصاف کے خواہاں آویں تو جب تک دونوں کی نہ سن لے فیصلہ نہ کیجو۔"

ابھی تک مسلمانوں میں رومیوں سے انتقام لینے کی آگ بھڑک رہی تھی۔ خلاف قاعدہ نصرانیوں نے اسلامی سفیر کو مار ڈالا تھا۔ حضور انور نے اخیر اسامہ بن زید کو جو بعد ازاں میدان شام میں شہید ہوا ایک مہم کا سرگروہ بنا کے روانہ کرنے کی تجویز فرمائی۔ مگر اس زہر کا ہنوز اثر باقی تھا جو ایک یہودن نے خیبر میں حضور انور کو دیا تھا روز بروز حالت نازک ہونے لگی اور یہ یقین ہونے لگا کہ حضور انور کی وفات کا زمانہ قریب آگیا ہے۔ یہ زبوں خبر کہ رسول خدا کی ایسی نازک حالت ہے خوفناک آگ کی طرح سارے عرب میں پھیل گئی اور اس مہم میں تو سب سے پہلے پہنچی جو اسامہ بن زید کی ماتحتی میں روانہ کی جاتی تھی۔ اندیشہ یہ تھا کہ رسول خدا کی وفات سے کہیں صوبوں میں بدنظمی نہ پھیل جائے یہ اندیشہ بہت ہی ٹھیک تھا تین کذاب نبوت کا دعوے کر بیٹھے اور اپنی نبوت کا اعلان دیا۔ ان میں سب سے زیادہ خطرناک ایک صاحب یمن کا سردار تھا جو علاوہ ہوشیار ہونے کے دولتمند بھی بہت بڑا تھا۔ اس نے ہر ایک کو دولت سے مالا مال کرنا شروع کیا۔ چند بندۂ شکم اس کے مرید ہو گئے اور اس کی نبوت کا اقرار کیا۔ اخیر یہ ایک شرمناک حالت میں مارا گیا۔ دوسرا نبوت کا دعوے کرنے والا طلیحہ بن خویلد الفقعسی تھا جس نے بہت کچھ شورش پیدا کر دی تھی تیسرا مسیلمہ کذاب تھا جس نے شرارت سے حضور انور کی خدمت میں یہ لکھا تھا "مسیلمہ پیغمبر کی طرف سے محمد نبی اللہ کو معلوم ہو میں تمہارا شریک ہوں قوت میں دونوں کی تقسیم ہو جانی چاہیئے نصف دنیا میری ہے اور نصف تمہارے قریش بھائیوں کے لئے موجود ہے لیکن قریش حریص قوم ہے وہ نصف پر قناعت کرتی نہیں معلوم ہوتی۔ اس کا جواب حضرت رسالتمآب نے یہ دیا۔ محمد رسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کو معلوم ہو سلامتی ان ہی کے لئے ہے جو ہدایت کی راہ پر ہیں زمین خدا کی ہے وہ اسی کو بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ خوف کھانے والے ہی اس سے پھولتے پھلتے ہیں۔"

آپ کے آخری دن نہایت خاموشی سے گزرے۔ آپ اخیر میں سخت کمزور اور ضعیف ہو گئے تھے لیکن پھر بھی آپ مسجد میں تشریف لا کے نماز پڑھاتے تھے۔ ایک دن آدھی رات کو حضور انور قبرستان میں جہاں آپ کے جاں نثار فدائی ہمیشہ کی نیند میں آرام کر رہے تھے تشریف لے گئے۔ آپ ان کی قبور کے پاس بیٹھ کے خوب روئے اور ان کی مغفرت کی رب الافواج کی عالی درگاہ میں دعا مانگی۔ آپ نے اپنے آخری دن گزارنے کے لئے حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ پسند فرمایا جو مسجد کے پہلو ہی میں تھا۔ مرض کی شدت اس عرصہ میں برابر ہو رہی تھی اور آپ روز بروز مضمحل ہوتے جاتے تھے۔ اخیر وقت جب آپ مسجد میں تشریف لاتے تو آپ سے خود نہیں چلا جاتا تھا

ایک طرف سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور دوسری طرف سے حضرت فضیل رضی اللہ عنہ حضرت عباسؓ کے صاحبزادے سہارا دیئے ہوئے تھے اسی حالت میں ایک خوشنما تبسم آپ کے مبارک لبوں پر معلوم ہوا جس نے حاضرین کے دل پر بہت ہی اثر کیا حضرت ابن مسعودرضؓ فرماتے ہیں کہ ہم سب ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے حجرہ میں وفات تک برابر حاضر ہوتے رہے ہم ایک بار جو حاضر ہوئے تو آپ نے ہماری طرف دیکھا اور آنکھوں میں آنسو بھر لائے" خوب ہوا تم آئے خدا تم کو زندہ رکھے اور پناہ دے اور مدد فرمائے میں تم کو خدائے تعالےٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں کہ بلا وجہ شہروں اور بندوں پر چڑھائی نہ کرنا۔ موت کا وقت آ لگا ہے اور رجوع جام وصال کی طرف ہے تو تم میری طرف سے اپنے آپ کو اور جو شخص میرے بعد تمہارے دین میں داخل ہو اُسے سلام اور خدا کی رحمت کہیو۔ پھر آپ نے یہ ارشاد کیا اب میری آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں اور فکر مٹا۔

جانم فدائے تو کہ ترا ہست بے گماں والا مہد تا ابد ہمیں فسکراستان

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ حضور انور نے وفات کے وقت مہاجرین سے ارشاد کیا " اے گروہ مہاجرین تم بڑھتے جاتے ہو اور انصار کی یہ صورت ہے کہ جس حالت پر وہ آج ہیں اُس سے زیادہ نہیں ہوں گے وہ لوگ میرے خاص ہیں جن میں میں نے رہنا پسند کیا بس ان کے محسن کی تعظیم کیجو اور برائی کرنے والے کی خطا سے درگزر کریو"۔ اور بھی آخری الفاظ جو اپنی وفات کی نسبت فرمائے وہ یہ تھے" ایک بندہ کو دنیا میں اور خدا کی پاس کی چیز میں اختیار دیا گیا اُس نے خدا کی چیز پسند کی"۔ جوں ہی حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ سنا آپ زار زار رونے لگے اور آپ سمجھ گئے کہ حضور انور اپنی وفات کی خبر دیتے ہیں آپ نے ارشاد کیا" اے ابوبکر استقلال رکھو گھبراؤ نہیں یہ دروازے جو مسجد میں کھلے ہیں سب بند کر دینا مگر ابوبکر کا دروازہ بند نہ ہو کیونکہ اپنے نزدیک میں ابوبکر سے زیادہ کسی کو دوست نہیں سمجھتا"۔

سعد بن عبد اللہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جب انصار نے سنا کہ حضور انور کی مبارک طبیعت بہت ہی ناساز ہے اور مرض خطرناکی کی حد تک پہنچ گیا ہے وہ سب در دولت پر حاضر ہوگئے سب کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے تھے اور اُن کی عورتیں زار زار رو رہی تھیں کہ اتنے میں حضرت فضیل آپ کے چچا زاد بھائی حاضر ہوئے اور انصار کے اجتماع کی کیفیت بیان کی پھر حضرت علی آئے اُنہوں نے بھی یہی عرض کیا۔ یہ سنکر حضور انور اُٹھے اور حضرت علی اور فضیل پر سہارا دے کے باہر تشریف لائے حضرت عباس آگے آگے تھے۔ سر مبارک پٹی سے بندھا ہوا تھا اور قدم شریف گھسیٹ کے رکھتے تھے یہاں تک کہ منبر کے سب سے نیچے کے درجہ پر بیٹھ گئے اور لوگ آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ نے خدا کی حمد کے بعد فرمایا" لوگوں میں نے سنا ہے کہ تم میری موت سے ڈرتے ہو گویا موت سے نفرت کرتے ہو۔ اور تم جو میری موت کا انکار کرتے ہو کیا میں نے تمہیں اپنی موت کی خبر نہیں دی یا تمہاری اپنی خبر مرگ نہیں پہنچی۔ جو انبیا مجھ سے پہلے تم میں بھیجے گئے اُن میں سے کوئی بچا؟ اور تم میں ہمیشہ کون رہا ہے سنلو کہ میں اپنے رب سے ملنے والا ہوں اور تم بھی اُس سے ملوگے اور میں تم سے وصیت کرتا ہوں کہ جو لوگ پہلے ہجرت کرکے آئے اُن کے ساتھ بھلائی کرنا اور مہاجرین کو آپس میں سلوک سے رہنے کی وصیت کرتا ہوں۔ اسلئے کہ اللہ تعالےٰ

فرماتا ہے والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین امنوا وعملوا الصلحت وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر یعنی آترنے دن کی قسم ہر انسان ٹوٹے میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک کام کئے اور آپس میں سچے دین کی وصیت کی اور صبر کی وصیت کی۔ سب معاملات خدائے تعالےٰ کے حکم سے ہوتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کسی امر کی تاخیر کے باعث تم اس میں جائز ہونے کی درخواست کرو کیونکہ اللہ تعالےٰ کسی کی جلدی کے باعث جلدی نہیں کرتا۔ اور جو شخص اللہ تعالےٰ پر غالب ہونا چاہے گا اللہ تعالےٰ اُسے مغلوب کرے گا اور جو خدائے تعالیٰ سے داؤں کرے گا خود دھوکا کھائے گا۔ پھر تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تمہیں حکومت حاصل ہو تو ملک میں خرابی نہ ڈالنا نہ اپنے ناتے توڑنا۔ اور میں تم کو انصار کے باب میں خیر کی نصیحت کرتا ہوں اس لئے کہ اُنہوں نے تم سے پہلے مدینہ میں اقامت اور ایمان کا خلوص حاصل کیا۔ تم ان کے ساتھ احسان کرنا دیکھو اُنہوں نے اپنے پھل آدھے تم کو دیئے۔ تمہیں اپنے گھروں میں اُتارا۔ اپنی ضرورتوں پر تمہاری حاجتوں کو ترجیح دی یاد رکھو کہ اگر تم میں سے کوئی دو آدمیوں پر بھی حکومت پائے تو چاہئے کہ اُن کے محسن کی طرف سے جو کچھ وہ دے قبول کرے اور اگر ان میں سے کچھ بُرائی کرے تو اُس سے درگزر کرے اور آگاہ ہو کہ ان پر اپنے کو ترجیح نہ دینا اور سمجھو کہ میں تمہارا گواہ ہوں اور تم مجھے ملنے والے ہو اور خبردار رہو کہ ایک دن سب کو یہی راہ فنا اختیار کرنی پڑے گی پھر حضرت عباس نے عرض کیا اے نبی اللہ کچھ قریش کے لئے بھی ارشاد کیجیے۔ آپ نے فرمایا" امر یعنی خلافت کی وصیت میں قریش کو کرتا ہوں اور لوگ قریش کے تابع ہیں نیکوں کے نیک اور بدوں کے بد پس اے اہل قریش لوگوں کو راستبازی کی وصیت کرتے رہنا۔ اے لوگو گناہ نعمتوں کو بدل ڈالتے اور اخلاق کو متغیر کر دیتے ہیں پس جب لوگ نیکی کریں گے تو اُن کے امام بھی اُن کے ساتھ نیکی کریں گے اور جب بدکار ہوں گے تو حاکم بھی اُن پر رحم نہ کریں گے"

اخیر ۱۲ ویں ربیع الاول ۱۱ ہجری مطابق ۸ ویں جون ۶۳۲ء جس وقت آپ لبوں ہی لبوں میں خدا کی عبادت کر رہے تھے پاک روح نے آپ کے تن مبارک سے مفارقت کی یہ ہیں مختصر سوانح عمری اُس رسول مقبول کے جس کی نسبت معاذ اللہ یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ اُس نے خود بھی خونریزی کی اور اپنے صحابہ کو بھی خونریزی کا حکم دیا جو کچھ گزشتہ صفحوں میں ہم نے قرآن مجید اور صحیح احادیث سے جہاد کی بحث کی ہے اور جس طرز سے ہم نے معصوم نبی کے واقعات زندگی کو دکھایا ہے غور سے پڑھنے والا یہ اندازہ کرلے گا کہ اسلام میں جہاد کسے کہتے ہیں اور اُس پر کیونکر عمل کیا گیا اور غیر اسلام اُسے کیا سمجھتے ہیں۔ کوئی مخالف سا مخالف شخص یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ نبی عربی اور آپ کے صحابہ نے مخالفین اسلام کے مقابلہ میں بغیر کسی قوی حجت کے بھی تلوار اُٹھائی اور ناحق کسی کے خون کی ایک بوند بھی گرائی یہ ملکی لڑائیوں کا سلسلہ یا فتوحات ملکی کا جوش یہ دنیا میں کس قوم میں نہیں ہوا اور اب دنیا کی کس قوم میں نہیں ہے۔ ملک گیری کے آگے ساری تہذیب اور شائستگی بالائے طاق رکھدی جاتی ہے اور آنکھیں بند کر کے دوسرے کے ملک پر گرا جاتا ہے مگر خوشی سے دیکھا جاتا ہے کہ مسلمان بادشاہوں نے تو بلا وجہ آج تک کسی ملک پر بھی محض ملکی فتوحات پوری کرنے کے لئے چڑھائی نہیں کی اسپین میں خود عیسائیوں نے اُنہیں بلایا تھا ہندوستان میں بغیر تحریک کے وہ کبھی نہ آئے تھے

بلا وجہ اور بے سبب سبکتگین پر حملہ کرتا نہ سلمانی سفارت کو محض دہوکے اور دغا بازی سے قید کیا جاتا نہ سلمان ہندستان کا رخ کرتے۔ ہندمیں تو اس قدر نہیں مگر یورپ میں سب سے زیادہ جہاد کو ہوا بنا رکھا ہے اور بلا وجہ یہ غلط خیال تسلیم کر لیا گیا ہے کہ سلمانوں کے دین میں درست ہے کہ کافروں کو اُن کے کفر کی سزا دیجائے یہ محض ایک مضحکہ خیز بات ہے اور ایسے خیالات ظاہر کرتے ہیں کہ اس روشن زمانہ میں بھی لوگ کس قدر اسلام اور اُس کے اصول سے نابلد ہیں۔ سلمان اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ بہت ہی مجبوری کی حالت میں اُنہیں لڑنے کا حکم ہوا ہے یعنی جب وہ بیگناہ گہروں سے بے گھر کر دیئے جائیں نہایت ظالمانہ طریقہ سے جلاوطن ہونے پر مجبور ہوں۔ اُن کے ارکان مذہب جبراً روک دیئے جائیں اُن کے معابد منہدم کر دیئے جائیں اور اُن کی بربادی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا جائے تو اُسوقت سلمانوں کا فرض ہے کہ قوت ہونے پر تلوار پکڑیں اور جان و مال کے ساتھ اپنے دین کا تحفظ کریں۔ اور اگر اُس پر بھی قوت نہیں ہے تو اپنی جانیں ہلاکت میں نہ ڈالیں عیسائیوں کے مجنونانہ جوش اور صلیبی لڑائیاں جب ہمیں یاد آتی ہیں تو ہنسی آتی ہے کیا خدا کی شان ہے کہ جو عیب اُن میں ہے وہ ہمارے سر تھوپتے ہیں اور خوش ہیں کہ ہم نے کامیابی حاصل کر لی۔ مگر اُنہیں خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ تحقیق کا راستہ جبتک بند نہیں ہوا ہے اُن کے ہوائی اعتراضات کچھ بھی نہیں چلنے کے۔ قرآن مجید موجود ہے صحیح حدیثوں کی کتابیں حاضر ہیں معتبر تواریخ کا کہیں کال نہیں ہے پھر کیا وجہ ہے کہ اپنے متعصب بزرگوں کی تقلید کی پٹی کو آنکھوں سے نہیں کھولتے اور کیوں نہیں خود تحقیق کر اُس بیہودہ قید سے آزاد ہوتے۔ یاد رکھو کہ صداقت اپنا راستہ آپ پیدا کر لیتی ہے۔ صدہا مذہب ہوئے اور مٹ گئے اُن کا نام بھی دنیا میں نہیں رہا اسلام کی ترقی خود اس کی صداقت کی شہادت دے رہی ہے اور ہمارے خیال میں صرف یہی شاہد اس کے لئے بس ہے۔

مسئلہ جہاد پر جو کچھ مجھے لکھنا تھا لکھ چکا میرے خیال میں اسی قدر بحث کافی ہوگی۔ اگرچہ اس مسئلہ پر بڑی وسعت کے ساتھ بحث ہو سکتی ہے اور اس کی ایک ضخیم کتاب لکھی جا سکتی ہے مگر اس مقدمہ تفسیر میں شاید اسی قدر کافی ہو میں نہیں کہتا کہ میری اس مختصر بحث سے ناظر تفسیر کی پوری تشفی ہو جائے گی لیکن ہاں اتنا مجھے خیال ہے اور خدا کی ذات سے اُمید پڑتی ہے کہ کچھ نہ کچھ تسلی ضرور ہو جائے گی۔

اسی جہاد کے معاملہ میں جس ناجائز طور پر حضور انور کی ذات اقدس و اطہر پر دریدہ دہنی سے نکتہ چینیاں ہوئی ہیں بس خدا ہی جانتا ہے کہ اُنہیں دیکھ کے کتنا صدمہ ہوتا ہے۔ اس لئے نہیں کہ ہمارے ہادی برحق کی شان میں گستاخی کی گئی ہے بلکہ اس لئے کہ خدا کی مخلوق کا ایک معزز رکن یعنی انسان کس کور باطنی اور تاریکی میں ڈوبا ہوا ہے اور اُس نے اپنی اشرفیت کو کتنا مٹایا ہے۔ اُس کی حالت قابل رحم ہے اور اُسے بجائے ملامت کرنے کے دعا دینی چاہیئے۔ یوروپیوں کے بھی اعتراضات دیکھے۔ دیسی عیسائیوں کی بھی دریدہ دہنی نظر سے گزری اور دہریوں وغیرہ کے الزامات پر بھی غور کی مگر افسوس یہ ہے کہ کسی میں بھی راستبازی کا پتہ نہ پایا نہ کسی میں حق کی تلاش دیکھی۔ کاش ان میں حق کی تلاش ہوتی تو یہ اتنا برباد نہ ہوتے۔ حق کی تلاش میں نہ تعصب کا پتہ ہوتا ہے اور نہ زک دینے اور اپنی بات برگجہ

کرنے کا خیال جسے دیکھا خودی میں ڈوبا ہوا اور تعصب میں اندھا ہوا اور کون ہے جس نے حق کی تلاش کی اور اُسے نہ ملا۔ استبازی سے حق کی تلاش کرو تمہیں حق ملجائے گا بیجا گھمنڈ۔ لفاظی اور منطق کی سین میگ حق کی تلاش میں کچھ بھی کام نہیں آتی کسی کو برا بھلا کہنا ذلیل اور ادنے درجہ کے آدمیوں کا کام ہے۔ کسی کو گالیاں دینا یا کسی کے اعتراضات کر دینا نہایت آسان ہے مگر سچے دل اور سچی روح سے حق کا پتہ لگانا مشکل ہے۔ فرانسیسی اور جرمنی کتابیں بھی موجود ہیں انگریزی کتابیں بھی حاضر ہیں اور دیسی عیسائیوں کی کتابیں بھی گم نہیں ہوگئی ہیں ان کل کتابوں میں انصاف سے نظر کرنے والا بتائے گا کہ اختلاف خیال کے ساتھ نکتہ چینیاں کن کن کتابوں میں ہوئی ہیں اور کن کتابوں کے اعتراضات سے دشمنی اور وہ بھی ناپاک دشمنی کی بو آتی ہے۔ موسیو سدیو نے حضرت رسالتمآب کے سوانح عمری تحریر کئے ہیں اور جس بے نظیر تحقیق سے لکھے ہیں وہ دیسی عیسائی تو کجا ولایتی مصنف بھی نہیں لکھ سکے۔ فاضل فرانسیسی مصنف نے اپنی اس کتاب میں حسد اور دشمنی سے مطلق کام نہیں لیا ہے یہ ضرور ہے کہ اختلاف کا رنگ کہیں کہیں پایا جاتا ہے اور اس طرح اختلاف کرنا لازمہ قوانین قدرت ہے۔ اسلام کے بہت سے مسائل سے جہاں اُس نے اتفاق کیا ہے وہاں بعض مسائل سے اختلاف بھی کیا ہے لیکن اُس کا یہ اختلاف عالمانہ اور شریفانہ ہے۔ جہاد پر بھی اُس نے بحث کی ہے لیکن اُسے خوفناک پیرایہ میں نہیں ادا کیا ہے جیسا کہ بعض متعصب مصنفین نے دکھایا ہے۔ جھوٹے الزامات نے صدیوں تک یورپ کے مطلع کو بالکل غبار آلود کر رکھا تھا مگر اب وہ تاریکی دور ہوتی جاتی ہے اور حق و ناحق میں تمیز قایم ہوگئی ہے۔ جہاد جس نے متمدن دنیا کو ابھی تک سہار رکھا ہے در اصل کچھ بھی نہیں ہے محض ظالم دشمن سے اپنی حفاظت کرنے کو جہاد کہتے ہیں۔ وہ مذہب جس نے دنیا میں تہذیب بھلائی اور عدل کی اشاعت کی اُس کی نسبت ایسے نا ملایم الزامات عاید کرنے سخت خیرہ چشمی اور سوء ادبی ہے۔ حضرت رسالتمآب نے اپنی مبارک زندگی کے اخیر دنوں میں بھی یہی ہدایت فرمائی کہ کسی ملک پر چڑھائی نہ کی جائے نہ خدا کے بندوں پر خونریزی کی آفت نازل کی جائے۔ اسلام کا منشا یہ ہے کہ مخلوق خدا کا کنبہ ہے اور اُس کے کنبہ سے محبت کرنا خدا سے محبت کرنا ہے۔ خیال ہو سکتا ہے جس نبی نے اپنی لخت جگر صاحبزادی کے قاتل کو چھوڑ دیا جس نبی نے اپنے جانی دشمنوں کی خطا معاف کر دی اور اُف تک نہیں کی اُس پر خونریزی کا کیوں کر الزام قایم ہو سکتا ہے۔ آپ کے اخلاق اور حیا آپ فطرت کی یہ کیفیت تھی کہ ایک یہودی نے آپ کی چادر پکڑ کے گھسیٹ لی اور اُس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو غصہ بھی آیا لیکن آپ نے کچھ نہ کہا آپ محض بے سر و سامانی اور کمل پوش حالت سے سلطان وقت بنگئے تھے پھر بھی آپ کے مزاج کی حلیمی اور طبیعت کی انکساری کی وہی کیفیت تھی۔ آپ کا اسیروں سے بخلق و تواضع پیش آنا۔ آپ کی غربا کے ساتھ ملنساری اور مروت آپ کا عاجزوں کو تسلی دینا یتیموں کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرنا مظلومین کی حالت پر آنسو بہانا۔ غربا پر ہمیشہ ترس کھانا اور بے گھروں کو اپنے گھر میں پناہ دینے نے آپ کو مخلوق کا سرتاج بنا دیا تھا حضرت انس آپ کے خادم فرماتے ہیں کہ میں دس برس تک حضرت رسالتمآب کی خدمت میں حاضر رہا کبھی ایسا نہیں ہوا کہ رسول خدا نے مجھے اُف تک کی ہو اگر میں حساب لگاؤں تو مجھے معلوم ہوگا کہ میں نے اتنی خدمت رسول خدا کی نہیں کی جتنی آپ نے میری کی

آپ اپنے سادہ حجرہ میں اپنے دست مبارک سے جھاڑو دے لیا کرتے تھے اور اپنے کپڑوں میں آپ پیوند لگایا کرتے تھے کبھی آپ نے کسی بات پر یہ نہیں فرمایا کہ "انس اگر تو یہ نہ کرتا تو بہتر ہوتا" آپ کو اپنے کنبہ کی بہت ہی محبت تھی۔ آپکا ایک صاحبزادہ انا کی دھواں دہار کوٹھری میں آپ کے سینہ پر وفات پا گیا۔ اس وقت جو کچھ آپ کو صدمہ ہوا ایک شفیق باپ کا دل بخوبی اندازہ کر سکتا ہے آپ کو اولاد ہونے کی بہت آرزو تھی اس لئے آپ کو معصوم بچوں سے دلی محبت تھی آپ رستہ میں چلتے چلتے ننھے ننھے بچوں کو ٹھیرا لیتے تھے ان کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے تھے اور پیار کرتے تھے۔ جب آپ کی وفات ہونے لگی تو آپ نے مجمع کو مخاطب کر کے یہ فرمایا تھا۔ "اگر میں نے کسی کو تکلیف دی ہے یا کسی کا دل دکھایا ہے میں اس کا عوض دینے کو موجود ہوں اور اگر کسی کا مجھ پر آتا ہے تو جو کچھ میرا ہے وہ سب تم لوگوں کا ہے" یہ سن کے ایک شخص اس مجمع میں سے اٹھا اور عرض کیا اے رسول اللہ فلاں روز جو حضور نے ایک مفلس کو تین درہم دلوائے تھے وہ میرے آپ پر آتے ہیں آپ نے فوراً ان الفاظ کے ساتھ اسکے درہم ادا کر دیئے "اس دنیا کی خجالت اس عالم کی خفت سے بہتر ہے" جب آپ کو بہت ہی غصہ آتا تھا اور آپ انتہا درجہ ستائے جاتے تھے تو صرف یہ فرما دیا کرتے تھے "اس کا کیا ہونا ہے خدا کرے اس کی پیشانی تاریکی کی کیچڑ سے لت پت ہو جائے"۔ آپ ہر مریض کی عیادت کے لئے اس کے مکان پر تشریف لیجاتے تھے۔ جو جنازہ رستہ میں ملتا تھا آپ اس کے ہمراہ ہو جاتے تھے اگر کسی ادنےٰ غلام نے بھی آپکی دعوت کی تو آپ نے انکار نہیں کیا۔ آپ اپنی بکریوں کا دودھ اپنے ہاتھ سے دوہا ہے۔ آپ کا ہاتھ انتہا درجہ کا فیاض آپ کا دل اول درجہ کا بہادر آپ کی زبان انتہا درجہ کی پُر از صداقت یہ صفتیں تھیں جنہوں نے عالم میں اسلام کا جھنڈا گاڑ دیا اور ہنوز تیرہ سو برس گزرنے پر بھی اسلام میں زندہ روح باقی ہے اور اب بھی یہی نبی معصوم و برحق کروڑوں بندگان خدا کو اسی سرگرمی سے اپنے روضۂ مبارک کے اندر سے کلمہ اسلام پر قایم کئے ہوئے ہے۔ اے آخر الزمان نبی تیری شان بہت بڑی ہے صدیوں پر صدیاں گزرتی جاتی ہیں ہزاروں انقلاب ہوئے اور ہوں گے مگر تیرا جلال اے خدائے واحد کے آخر الزمان نبی دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔ تو انبیائے سابقین کا سچا محسن ہے اور صرف تیری ہی ایک ذات ہے جس نے ان الزامات سے انبیا کو بری کیا جو ناہنجار مخلوق نے اُن پر لگائے۔ جو کچھ تو نے کیا اس کا سچا اندازہ کون کر سکتا ہے تیرا ایک ایک لفظ قوانین قدرت کی ایک بیاض ہے اور تیرا ایک ایک فعل دنیا کی رہنمائی کے لئے کافی ہے۔ تیری ہی برکت سے یونانی فلسفہ کی تیرے مصفا دین کے آگے کچھ نہ چل سکی اور تیری ہی بزرگی سے علوم جدیدہ اسلامی اصول سے پے در پے مات کھا رہے ہیں۔ تیرا بزرگ نام روز بروز بلند ہوتا جاتا ہے۔ بدقسمت ہیں وہ جو تیری معصوم پاک اور عالم کی رحمت ذات پر خونریزی کا الزام لگاتے ہیں۔ اے اپنے جانی دشمنوں کے سچے خیر خواہ تیرا جلال ابد تک قایم رہے اور دنیا روز بروز تیری روشنی سے منور ہوتی رہے۔ آمین۔

تیرھواں باب

معجزہ اور نبوت

معجزہ اور نبوت کی حقیقت سے کم لوگ واقف ہیں اور جن لوگوں نے جانا ہے اُس کے اظہار میں انہیں ایسی دقتیں پڑی ہیں کہ آخیر وہ کہیں کے کہیں بھٹک نکل گئے اور منزل مقصود پر پہنچنا اُنہیں محالات سے ہو گیا۔ ہر شخص کا خواہ وہ کسی مذہب اور ملت کا ہو معجزہ اور نبوت کی حقیقت کا سمجھنا فرض ہے اور جب یہ دو اہم امور سمجھ میں آ گئے تو پھر آسانی سے مذاہب کی اصلیت سمجھ میں آ جائے گی۔ میں کوشش کروں گا کہ اس ضروری اور مشکل مسئلہ کو ایک حد تک وضاحت سے بیان کروں اور اس عمدگی سے سمجھا دوں کہ بڑی حد تک ناظر تفسیر کا اطمینان ہو جائے۔ خدا میری مدد کرے اور مجھے توفیق دے اُسی کا سہارا بس ہے۔

علمائے اسلام نے جن امور کو معجزہ قرار دیا ہے اور معجزہ سے جو مفہوم لیا ہے وہ انتہا درجہ مہمل ہے اور اسلامی کتب میں کہیں بھی اس کی زیادہ توضیح نہیں کی ہے صرف اسی قدر اس کا مفہوم سمجھایا ہے کہ انسان کی طاقت سے باہر اگر کوئی کام صادر ہو اور انسانی عقول ایسے صدور پر قادر نہ ہوں اُس فعل کو معجزہ کہتے ہیں گو ہر مفسر اور عالم کا طرز بیان جدا جدا ہے مگر قریب قریب سب کا مفہوم ایک ہی ہے پھر مدارج انسانی کے لحاظ سے اس کی تقسیم کر دی ہے کسی کو خرق عادت کہا ہے اور کسی کو کرامت اور کسی کو شعبدہ مگر جب غور سے دیکھا جاتا ہے تو سب ہی کا ایک مفہوم ہے اور ذرا بھی فرق نہیں ہے۔ خاص الفاظ اور بھی ہیں۔ جو ہمارے علماء نے معجزہ کے ہم معنی پیدا کئے ہیں مثلاً معونت ارہاص اور استدراج۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو چیز خلاف عادت اور برخلاف قانون قدرت کے کسی شخص سے سرزد ہو تو اُسے خارق عادت کے نام سے پکارا جاتا ہے اور جو سحر یا طلسم کے ذریعہ سے سرزد ہوں تو اُسے خارق عادت سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ اگر خارق عادت مدعی نبوت سے سرزد ہوں تو اُسے معجزہ کہتے ہیں اور اگر یہی خارق عادت نبی کے پیرو سے سرزد ہو تو اُس کو کرامت بولتے ہیں اور اگر غیر مومن صالح سے صادر ہو تو اُس کو معونت کہتے ہیں اور یہی خارق عادت نبی سے قبل نبوت سرزد ہو تو اُس کو ارہاص کہتے ہیں اور جو کسی بدکار آدمی سے سرزد ہو تو اُس کو استدراج کہتے ہیں۔ اب صرف دیکھنا یہ ہے کہ آیا الفاظ کی تبدیلی سے مفہوم میں بھی کچھ فرق آ سکتا ہے یا نہیں؟ مختلف بولیوں میں ایک چیز کا نام علیحدہ علیحدہ بیان ہوا ہے کیا الفاظ کی تبدیلی نے اُس چیز کی اصلیت میں کچھ خلل پیدا کر دیا؟ مثلاً اردو میں گھوڑا کہتے ہیں فارسی میں اسپ کہتے ہیں انگریزی میں ہارس کہتے ہیں اسی طرح ہر زبان میں اس جانور کا نام علیحدہ علیحدہ ہے کیا اس کی اصلیت اور حقیقت میں الفاظ کی تبدیلی سے کچھ فرق آ گیا؟ اسی طرح معجزہ۔ کرامت۔ معونت۔ ارہاص۔ اور استدراج سب چیزیں ایک ہی ہیں اور ان میں الفاظ کی تبدیلی کچھ بھی فرق نہیں پیدا کر سکتی۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ معجزہ کے معنی یہ ہیں کہ خشک درخت میں میوہ پیدا ہو جائے۔ ریت میں پانی کے چشمے

بہنے لگیں۔ پہاڑیں سے پانی کی چادریں گرنے لگیں۔ جنم کے اندھوں کی آنکھیں ہوجائیں بانجھ عورتوں کے ہاں بچے ہوجائے۔ سنگلاخ چٹان پر ایک تر و تازہ باغ لہلہانے لگے حملہ آور فوج اندھی ہوجائے انگلیوں سے پانی کے چشمے نکلیں۔ بکری کے خشک تھنوں میں دودھ پیدا ہوجائے تلوار اپنا کاٹ نہ کرے آگ جلا نہ سکے لق و دق صحرا شہر بن جائیں آسمان سے خون برسنے لگے انسان ایک ہاتھ سے ایک عظیم پہاڑ کو اٹھا لے غرض اسی قسم کی بہت سی باتیں ہیں جو معجزہ بیان کی جاتی ہیں اور سمجھا جاتا ہے کہ یہ باتیں قانون قدرت سے جس طرح مستبعد ہیں اسی طرح انسانی قوت ان کا احاطہ نہیں کرسکتی۔

اب ہمیں صرف یہ دیکھنا ہے کہ انسان کی قدرت کا اندازہ کیونکر کرلیا گیا اور اس انیسویں[19] صدی میں جبکہ دینی اور دنیاوی علوم کی ہر شاخ کی بے انتہا جانچ اور چھان بین ہوئی ہے انسانی قوت کا اندازہ کہاں تک کیا گیا ہے اور اُن جوہروں کا جو انسان کی ذات میں ودیعت ہوئے ہیں کہاں تک اور کس درجہ تک پتہ لگایا گیا ہے۔ مذاہب نے انسان کو کیا فرض کیا ہے اور اس کی عظمت کا کہاں تک کھوج لگایا ہے۔ اور مذاہب کے مقابلہ میں قرآن مجید نے انسان کے حق میں کیا فیصلہ دیا ہے اور آیا اُس کا یہ فیصلہ ناطق بھی ہوسکتا ہے یا نہیں؟ یہ سوالات ہیں جن کا جواب دینا اور یہ کٹھن راستہ ہے جسے طے کرنے کے بعد منزل مقصود آجاتی ہے۔

جسطرح معجزہ کی حقیقت کو تاریکی میں ڈال رکھا ہے اسیطرح نبوت اور منشائے نبوت کو بہت ہی کم سمجھا گیا ہے اور تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ یہاں تو سب کو ہی سکوت ہے اور اگر معجزہ کی طرح سے کسی نے اٹکل پچو نبوت کی حقیقت بھی بیان کردی تو اُس سے ایک سچے طالب کی پیاس نہیں بجھ سکتی اور نہ خدا کی عام مخلوق کا اُس سے کچھ اطمینان ہوسکتا ہے تمام اعتراضات اور تمام قسم کی نکتہ چینیاں اور تمام شکوک اسی مسئلہ کی تحقیق سے رفع ہوجائیں گے بشرطیکہ پوری تحقیق ہوجائے اور اس کے چہرہ سے صدیوں کا گرا ہوا پردہ اُٹھ جائے۔ یہ ایسا جامع مضمون ہے کہ اس کا تعلق دنیا کے ہر مذہب والے سے ہے مگر چونکہ بالخصوص یہ مسلمانوں کے لئے لکھا گیا ہے اس لئے اُمید ہے کہ وہ اسے غور سے پڑھیں گے نبوت اور معجزہ کی حقیقت نہ سمجھنے نے فی الحقیقت اسلام میں بڑے بڑے اختلافات پیدا کردیئے اور اسی سے بیسیوں فرقے قائم ہوگئے بعض تو اس قدر بڑھ گئے کہ اُنہوں نے نبی معصوم کی ذات کو خدا سے ملا دیا اور بعض اتنے گھٹ گئے کہ اُنہوں نے نبوت کو کچھ مال ہی نہ سمجھا بعض اس کے بین بین رہے لیکن طرفین کے مسلمہ مسائل سے اپنا پہلو بچا نہ سکے اور کامل یکسوئی اُنہیں حاصل نہیں ہوئی۔ ایک پڑھا لکھا قابل مسلمان سوائے اسکے اور کچھ نہیں بتا سکتا کہ نبی پر خدا کی طرف سے فرشتہ وحی لاتا ہے اور وہ معجزے دکھاتا ہے اور بس یہی نبی کی تعریف عام طور پر سمجھ لی گئی ہے اور اسی کو منشاء نبوت کہتے ہیں۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ نبوت و معجزہ لازم و ملزوم ہے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ معجزہ دلیل نبوت نہیں ہے یعنی نبی کے لئے ضرور نہیں ہے کہ معجزہ بھی دکھائے۔ یہ بڑے ہی اہم مسائل ہیں نہ تو یہ سرسری یا معمولی طور پر قلمبند ہوسکتے ہیں اور نہ ان کو معمولی توجہ سے دیکھا جاسکتا ہے بہت کچھ غور و خوض کے بعد کچھ لکھا جاتا ہے اور اُسی قدر دقت کے بعد سمجھ میں آتا ہے۔

سالہا غوطہ بخوناب جگر باید خورد ٭ تا زدل یک نفس معتدل آید بروں

اگر خدائے عزوجل نے میری مدد کی اور اُس کے ہاتھ نے میرے ساتھ کام کیا اور یہ مسئلہ کسیقدر حل ہو گیا تو تمام معارف اور شریعت کے وقایق آئینہ ہو جائیں گے اور حقیقت کے رازوں کے چہرہ پر سے پردہ اُٹھ جائے گا اور ہر شخص کو نجات کا رستہ آنکھوں سے دکہائی دینے لگے گا اور اگر بدقسمتی سے کامیابی نہیں ہوئی تو ناظر تفسیر سے معافی کا خواستگار ہوتا ہوں اور التجا کرتا ہوں کہ وہ میرے حق میں رب الافواج کی عالی بارگاہ میں دعا کرے تاکہ میری اِس غلطی سے چشم پوشی کی جائے اور میرا خاتمہ بخیر ہو۔ آمین۔

ایسے سخت اور اہم مسائل پر بحث کرنے سے پہلے ہی دل ہچکچاتا تہا اور اندام میں ایک لرزہ پیدا ہوتا تہا مگر خدا کے بہروسہ پر اپنی تمام کمزوریوں اور بے بضاعتی کا اقرار کرکے قدم اُٹہایا ہے شاید کچھ کامیابی نصیب ہو اور ناظر تفسیر کو ایک حدتک فائدہ ہو۔ دقت اگر ہے تو یہ ہے کہ اودہر تو اصول اسلام کا خیال ہے کہ وہ ہاتھ سے نہ جانے رہیں اُدہر علوم جدیدہ آنکہیں دکہا رہے ہیں کہ مشاہدات کے خلاف نہ ہو ورنہ دقیانوسی خیال کا فتویٰ موجود ہے ادہر ایمانداری عقیدہ اور یقین آنکہیں بدل رہا ہے کہ جو کچھ بیان کیا جائے اُس کا ظاہر و باطن یکساں ہو اور ہم سے ذرا بہی مخالفت نہ کی جائے۔ تینوں باتوں ہی کو نبہانا اور تینوں اصول کو برقرار رکھ کے کچھ بیان کرنا چاہیئے ورنہ ایک طرف بہی قدم ڈگمگایا اور مصیبت آئی۔ اور اصل یہ ہے کہ تینوں پہلوؤں کو نبہانا بڑا کٹہن کام ہے۔ آزادانہ تمام دنیا سے علیحدہ کسی رائے کا قایم کر دینا کچھ مشکل نہیں ہے مگر تمام امور پر نظر کرکے ایک نئی بات پیدا کرنا ایک مشکل کام ہے بہرحال اب تو ایک کام کے کرنے کا بیڑا اُٹہایا ہے اور آسے بہلا برا کیا جاتا ہے آگے خدا مالک ہے۔

موجودہ زمانہ میں کچھ خیالات نے ایسا رنگ بدلا ہے کہ بہت سی مافوق الفطرت باتیں مشتبہ نظروں سے دیکھی جانے لگی ہیں۔ اور مشاہدات کے علم نے ایسا زور پکڑا ہے کہ غیب کی باتوں پر یقین کرتے ہوئے طبیعت ہچکچاتی ہے۔ قدرت اور فطرت انسانی کے وہ راز جن کا ایک زمانہ میں اُبہار ہوا تہا اور جو فی الحقیقت بنا ہیں تمام دنیا کے مذاہب کی ایسے فراموش ہوئے ہیں کہ اُن کی طرف توجہ کرنی ہی عقل کے خلاف خیال کی گئی ہے۔ قوانین قدرت کو عام طور پر محدود سمجھ لیا ہے اور اُس کے گہرے رازوں کو تقویم پارینہ سمجھ کے کوئی خیال ہی نہیں کرتا۔ روحانی قوتیں معطل اور ضمیری جذبات بیکار کر دیئے گئے ہیں اور علوم جدیدہ نے بظاہر سب خیالات پر ایک نمایاں فتح حاصل کر لی ہے۔ ہر مذہب کا عالم یہ کوشش کرتا ہے کہ جدید مسلمہ اصول کے مطابق اپنے خیالات کو بنالے۔ اور جہاں تک ممکن ہو اُن باتوں کو مذہب سے اُڑا دے یا اُن کا انکار کر دے جو مشاہدہ میں نہیں آتیں نہ موجودہ عقل اُن کی شہادت دیتی ہے یہی وجہ ہے کہ ہر مذہب میں جدید خیالات کے لوگ پیدا ہونے لگے ہیں اور وہ کوشش کر رہے ہیں کہ اس زمانہ میں جو قوانین قدرت تسلیم کئے گئے ہیں اپنے مذہبی اصول کھینچ تان کے اُن ہی کے ساتھ چسپاں کئے جائیں۔ یہ کوئی نہیں سمجہتا کہ علوم جدیدہ کی عمر کتنی بڑی ہے اور ان کی حکومت کا دور کب تک رہے گا۔ سب بیوقوف بہیڑوں کی طرح ایک ہی ٹہیا پر پڑلئے ہیں اور یہ نہیں سمجہتے کہ جو راہ اُنہوں نے اختیار کی ہے اُس سے منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتے۔

فطرت کے راز جن کی تلاش اور تحقیق نے دنیا کو بہت کچھ فائدہ پہنچایا ہے معرض زوال میں آگئے ہیں اور روز بروز اُن پر تاریکی چھائی جاتی ہے۔ مسلمانوں میں ایک نیا گروہ پیدا ہو گیا ہے اور وہ علوم جدیدہ کی بڑی سرگرمی سے حمایت کر رہا ہے اسی طرح ہندوؤں میں ایک جدید مذہب کی اشاعت نے اپنا بالکلیہ دارومدار علوم جدیدہ کے مفروضہ اصول پر سمجھ لیا ہے۔ بانیان مذہب کے اصلی خیالات کو مٹایا جا رہا ہے اور اُن کے نئے عقاید کی خلق اللہ میں اشاعت دی جا رہی ہے۔ تھوڑی دیر کی توجہ اس بات کو ثابت کر دے گی کہ جن خیالات کی اُن بزرگوں سے نسبت دیجاتی ہے ان کی ہوا تک بھی نہیں لگی تھی اور وہ اس سے مطلق واقف نہ تھے کہ آئندہ وہ اس بھیانک صورت میں پیش کئے جائیں گے۔ کلوں کی ترقی اور جدید صنعت کی روز افزوں اشاعت نے سب کی توجہ فطرت کے رازوں پر غور کرنے سے پھیر لی ہے اور اب یہ تعلیم یافتہ گروہ کے لئے شرم کی بات معلوم ہوتی ہے کہ قدیم خیالات کی حمایت کریں اور اُن کی اشاعت اسی سرگرمی سے کریں جو اُن کے اب و جد نے کی تھی۔ اگر علوم جدیدہ نے بجلی سے کام لیا یا پانی اور ہوا کو جو فطرت کی زبردست قوتیں ہیں اپنے ہاتھ میں لے لیا تو اس سے یہ کیوں کر لازم آتا ہے کہ ان ظاہری قوتوں میں کوئی راز ہی کی بات نہیں ہے اور جو کچھ ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں بس یہی ان کی کائنات ہے۔ یہ ایک سخت غلط فہمی ہے جو عالمگیر ہو رہی ہے اور جس نے قوانین قدرت کے راز میں جستجو کرنے والوں کو شکستہ خاطر بنا رکھا ہے۔

علوم جدیدہ انکار کرتے ہیں کہ روح اور قوت روح اور فطرت کے راز کوئی چیز نہیں ہیں جو کچھ مشاہدہ میں نہیں آتا وہ ہرگز قابل تسلیم نہیں ہے۔ یہ خیالات کچھ علوم جدیدہ ہی نے پیدا نہیں کئے ہیں بلکہ ان خیالات کا ظہور حضرت مسیح سے کئی صدی پہلے دنیا کی غیر متمدن اقوام میں ہو چکا تھا اور ہر زمانہ میں ان خیالات کا کچھ نہ کچھ اثر رہا۔ خود حضرت رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ محمود و مسعود میں ایسے لوگ موجود تھے جن کا عقیدہ خدا اور اُس کی لازوال قوتوں اور فطرت کے رازوں پر مطلق نہ تھا اور جس طرح علوم جدیدہ کے ماہران خیالات پر اب مضحکہ اُڑاتے ہیں اسی طرح وہ لوگ بھی جو صحرائی وحشی تھے اور جنھیں تمدن کی مطلق ہوا تک نہ لگی تھی مضحکہ اُڑایا کرتے تھے وہ موت کو زندگی کا اختتام خیال کیا کرتے تھے اور ایسے شخص کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے جس کا ایمان ان دیکھے خدا اور اس کی فطرت کے رازوں پر ہو۔ علوم جدیدہ نے کوئی بھی نئی بات پیش نہیں کی ہے بلکہ انھوں نے ان وحشی اور غیر متمدن اقوام کی تقلید کی ہے جو انسانی فضیلت سے معرّا اور انسانی اشرفیت کے دامن پر مثل داغ کے نمایاں ہیں۔ بہرحال ہم علوم جدیدہ کے مفروضہ اصول پر ایک نظر کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اُن کے خیالات کی گہرائی کتنی ہے اور وہ کتنے پانی میں ہیں صرف ایک مادّہ مانا جاتا ہے اور اسی کی ریشہ دوانی تمام کائنات میں تسلیم کی جاتی ہے خیالات اور انسانی جذبات اسی مادّہ کی ترقی یافتہ صفات ہیں خدا اور بقا خواب و خیال ہیں سوال کیا جاتا ہے کہ تمہارا خدا کہاں ہے؟ وہ کیا کرتا ہے اور کب سے زندہ ہے؟ ان خیالات نے اگرچہ اہل ہند پر پورا اثر نہیں کیا ہے پھر بھی اُن کے خیالات میں انتشار پیدا کر دیا ہے اور اس انتشار سے پریشان ہو کے انھوں نے نبوت اور معجزہ سے انکار کر دیا اور اُس انکار ہی پر قانع نہیں رہے بلکہ انہیں اس میں شک ہونے لگا آیا نبوت کوئی چیز

بھی ہے یا نہیں اور کیا ضرور ہے کہ نبی کوئی خاص ہی شخص ہو ہر شخص اپنے فن کا نبی ہو سکتا ہے۔ نبوت اور نبی کے لفظی معنی لے کے خوش فہمی سے اسی پر قناعت کر لی ہے حالانکہ نبوت اور نبی کی اصلی حقیقت پہچاننے کے لئے لفظی معنی کوئی چیز نہیں ہیں۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس اصول کو انصاف سے جانچیں کہ آیا یہ الحادی اصول کوئی عاقلانہ بنیاد رکھتا ہے اور کائنات میں اس اصول کو کہاں تک دخل ہے۔

اس کی تحقیق اور جانچ کرنے کے لئے یہ ضرور ہے کہ ہم موجودہ مفروضہ اصول کی اصلیت کو دیکھیں اگر ہمیں اس کی اصل کا پتہ لگ گیا تو پھر ہمیں اختلاف خیالات کا پورا اندازہ ہو جائے گا۔ قدیم فلسفہ کی تاریخ پر گہری نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ینگ چاؤ جو حضرت مسیح علیہ السلام سے چار صدی پہلے ہوا ہے اس الحادی مذہب کا بانی ہے۔ اور تمام چین میں اسی نے اس الحادی مذہب کی اشاعت نصف صدی میں کامل طور پر کر دی تھی۔ یہ شخص اپنے خیالات میں نہایت دلیر اور مستقل تھا اور اس نے خدا کی مخلوق کو ہر بری سے بری خواہش کی تکمیل پر آزاد کر دیا تھا۔ اس کا اصول تھا کہ جہاں تک انسان کی قدرت میں ہو راحت میں زندگی بسر کرے اور جس صورت سے وہ راحت میں رہ سکے اس میں کوتاہی نہ کرے۔ وہ ہر کام کے لئے آزاد ہے اور دنیا کا کوئی کام اس کے لئے ممنوع نہیں ہے خوش رہنا چاہئے اور وہ خوشی خواہ کسی طریقہ سے حاصل ہو جائز ہے۔ اس کا مقولہ ہے جب تک ہم زندہ ہیں تو ہمیں عقل۔ نادانی اور عزت اور ذلت کا امتیاز ہے اور جب ہم مر جاتے ہیں پھر ہمیں ان سے کچھ تعلق نہیں رہتا اور یہ ساری باتیں رفو چکر ہو جاتی ہیں۔ عاقل اور نادان عزیز اور ذلیل جو پیدا ہوئے ہیں مرینگے بھی ضرور۔ بعض نو عمری ہی میں مر جاتے ہیں۔ نیک اور حکیم بھی مریں گے شریر اور بے وقوف بھی موت کی چاشنی چکھینگے مگر موت کے بعد سب کی حالت یکساں ہو جائیگی نادان ہیں وہ جو اس سے ڈرتے ہیں کہ موت کے بعد زندگی کا امتیاز قایم رہے گا۔ ایک شخص پیدا ہوا اور جوان ہوا اسے چاہئے ہر ممکن ذریعہ سے اپنے کو خوش رکھے اور جب موت آئے تو مر جائے۔ جب مرنے لگو تو بے پروائی سے کل چیزوں کو دیکھو اور موت کی تکلیفوں کو جوانمردی سے برداشت کرو اور سمجھ لو کہ تم اپنا سفر پورا کر چکے اور اب اپنے کو فنا سمجھ لو۔" پھر یہی فلسفی ینگ چاؤ لکھتا ہے کہ نیکی اور تعریف کوئی چیز نہیں ہے جس کے ثبوت میں اس نے چار حکما کو پیش کیا ہے اور کہتا ہے کہ انہوں نے کس مصیبت سے تکلیفیں اٹھا کے عمر گزاری مگر اخیر نہایت غمگینی سے قبروں میں چلے گئے وہ لکھتا ہے موت تک ان کی بہت ہی شہرت تھی اور ایسی شہرت جو صدیوں تک قایم رہے گی لیکن اس شہرت سے خود ان کی ذات کو مرنے کے بعد کچھ بھی نتیجہ نہیں ملا انہیں چاہے جس قدر مشہور کرو اور چاہے جتنی ان کی تعریف کرو مگر انہیں اس کا کچھ بھی علم نہیں ہے۔ ان کے نام پر جان بھی دیدو گے جب بھی انہیں مطلق خبر نہیں ہونے کی ان کی شہرت ان کی ذات کے لئے ایک سخت کے تنے اور مٹی کے ڈھیلے کی نسبت زیادہ فائدہ نہیں دے سکتی۔ اچھا ان کے مقابلہ میں چار جاہل شریر اور شیطان سیرت آدمیوں کو لو جو کبھی اپنی زندگی میں سیدھے رستہ نہیں چلے جنہوں نے کبھی نیکی نہیں کی اور اخیر انہیں اسی حالت میں موت آگئی۔ اپنی موت کے زمانہ تک تو ان کی شہرت بدکاری اور جور و ستم میں تھی لیکن فی الحقیقت کسی قسم کی شہرت سے اصلی خوشی ہرگز نصیب نہیں ہو سکتی۔ اگر انہیں لعنت ملامت کرو گے تو انہیں خبر نہ ہوگی ان کی تعریف کرو گے

تو انہیں معلوم نہ ہوگا۔ اُن کی بدنامی اُن کے آگے ایک درخت کے تنے او رمٹی کے ڈھیلے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔"

نیگ چاؤ کا یہ اصول کچھ انوکھا نہیں ہے صدہا لوگوں کے ایسے خیالات اُس زمانہ میں تھے اور اب بھی ہیں جن سے ہم بخوبی واقف ہیں۔ موجودہ زمانہ میں علوم جدیدہ کی اشاعت سے پہلے بھی ان خیالات سے ہمارے دماغ اور ان مانندہ آوازوں سے ہمارے کان آشنا ہیں۔ نیگ چاؤ کے ملحدانہ خیالات جن کی بنا انسانی ذلیل حالت پر رکھی گئی ہے انسانی زندگی کے مفہوم سے سخت متغایر ہیں پھر بھی یہ دیکھا گیا ہے کہ ان ذلیل اور ادنےٰ خیالات کی مقبولیت کا مادہ لوگوں میں بہت پایا جاتا ہے اور عام طور پر ان کی تائید اگر زبان سے نہیں کی جاتی تو سر تو ضرور ہی ہلا دیے جاتے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ہندو فلسفہ کا اصول بھی یہی ہے۔ ہمیں اس سے بحث نہیں خواہ یہ اصول ہو یا نہ ہو لیکن اتنا ہم جانتے ہیں کہ ہندو فلسفہ جیسا وسیع ہے اسیقدر غیر مشخص ہے اور آجتک کسی نے اُس کے خاص اصول نہیں بتائے۔ کہتے ہیں کہ دہریے بھی ہندو ہیں۔ بت پرست بھی ہندو ہیں۔ ستارہ پرست بھی ہندو ہیں۔ اور پانی کی پرستش کرنے والے بھی ہندو ہیں۔ ہر مذہب میں فروعات میں اختلاف ہوا کرتا ہے مگر تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ ہندو مذہب میں اصول میں بڑا اختلاف ہے اور اب تک کوئی مستقل صورت ہندو مذہب کی قایم نہیں ہوئی۔ آریا توکل سے پیدا ہوئے ہیں لیکن قدیم سے جتنے گروہ ہندوؤں کے ہندوستان میں ہیں سب کا نیا مذہب اور نئے اصول ہیں اور ایک کو دوسرے سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ سب کے اصول جدا سب کے خیالات الگ اور سب کے معبود علیحدہ ہر شخص نے اپنی پسند کے موافق ایک رستہ اختیار کر لیا ہے اور اُسی پر آنکھیں بند کر کے چلتا ہے بیان کیا جاتا ہے کہ ہندوؤں کے معبودوں کی تعداد خود ان کے شمار سے بھی زیادہ ہے۔

مگر یورپ کی موجودہ الحادی خیالات کا ذریعہ یونان کو سمجھنا چاہیے حضرت مسیح علیہ السلام سے سات صدی پہلے یونان میں تھیلس فلسفہ کا قبلہ و کعبہ سمجھا جاتا تھا اُس نے علت و معلول کی تحقیق میں بڑی جانفشانی کر کے اس کے ابتدائی اصول مرتب کیے۔ اُس نے اور لوگوں کی طرح ہومر اور ہیسی آد کے وحشی فسانوں پر تکیہ نہیں کیا۔ اُس نے اُن سوالات کے جواب دینے میں تامل کیا جو اشیا کی اصلیت کی بابت خود اس کے دماغ سے پیدا ہوئے۔ اُس کے مرتبہ اصول اور علی التواتر علمی تحقیق کا اخیر یہ نتیجہ نکلا کہ کائنات میں ایک مستقل اور اصلی چیز پانی ہے۔ ارسطو کا قول ہے کہ غالباً اس حکیم نے اسلئے پانی کو کائنات کا لباب قرار دیا ہے کہ تمام اشیا کے بیجوں میں رطوبت موجود ہے تمام نشو و نما صرف رطوبت ہی سے ہوتی ہے۔ حرارت خود رطوبت سے پیدا ہوتی ہے اور حرارت سے زندگی۔" یہ اصول موجودہ زمانہ میں کس قدر طفلانہ سمجھا جائے گا۔ لیکن اُس زمانہ میں انسانی دماغی ترقی کا ایک اعلےٰ درجہ کا نمونہ تھا اور تمام علمی مشاہدات کا حقیقی اصول تھا تھیلس کے بعد اینکزی مانڈر پیدا ہوا جس نے یہ اصول قرار دیا کہ مادہ تمام اشیا کی ابتدا اور انتہا ہے لیکن مادہ خود ایک غیر معین چیز ہے پھر حکیم اینی زمینس ہوا جس نے قرار دیا کہ ہوا ہی ہے جو کچھ ہے اور اس میں دانائی اور شعور دونوں ہیں لیکن ہیرقلیتس ان تمام اصول سے مخالف تھا بلکہ اُس نے آگ کو اپنا معبود بنایا

اور کہا ہر چیز آگ ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ اخیر ڈیموکرٹیس پیدا ہوا اور اُس نے اس الحادی اصول کی بنیاد ڈالی
جس کی یورپ بڑی سرگرمی سے تقلید کر رہا ہے۔ اس حکیم کا بیان ہے کہ "مادہ قدیم ہے اور اس میں اسی صفت کے
اجزائے لایتجزیٰ ملے ہوئے ہیں جن کی کبھی تقسیم نہیں ہوسکتی۔ اگرچہ اُن اجزا کی شکل وصورت باہم بہت ہی مختلف ہے۔
ان اجزائے لایتجزیٰ میں اُس نے عرصہ قایم کیا اور اُن کی تقسیم ناممکن قرار دی اور پھر اُس نے یہ کلیہ بنایا کہ کائنات اجزائے
لایتجزیٰ اور عرصہ سے بنی ہوتی ہے اُس میں خلا بھی ہے اور نہیں بھی ہے اشیا کی اشکال کا اختلاف محض ان اجزائے
لایتجزیٰ پر موقوف ہے جو اُن میں موجود ہیں مثلاً پانی کے اجزائے لایتجزیٰ چکنے اور گول ہیں اور بہت ہی ڈھیلے ڈھیلے
ملے ہوئے ہیں مگر لوہے کے اجزا نہایت ناہموار اور غیر مسطح ہیں۔ انسانی روح انسانی جسم میں اپنا علیحدہ ایک جسم رکھتی ہے
جو لطیف اجزائے لایتجزیٰ سے بنا ہوا ہے۔ اجزا کی حرکت اور شکل اختیار کرنے کی اس طرح توضیح کرتا ہے کہ ان کی تمام
حرکت اور مختلف اشکال اختیار کرنا محض فطرت اور قانون کی ضرورت سے ہوتا ہے۔ جس وقت ضرورت پیدا ہوتی ہے
وہ چیزیں خود بخود بنکے تیار ہوجاتی ہیں یہ اجزا ایک بے پایاں عرصہ میں گرنے شروع ہوتے ہیں اور اسی میں نئی نئی اشکال اور تعینے
اختیار کرتے جاتے ہیں گرنے میں ایک کو دوسرے سے ہچکولا لگتا ہے اور اس سے کل اجزا ادھر اُدھر پریشان ہوجاتے
ہیں اور پھر وہ گھومنا شروع کرتے ہیں پس اسی صورت سے ہزاروں عالم قایم ہوگئے سمندر بن گئے زمینیں پیدا
ہوگئیں اور پودے جانور اور آدمیوں کا ظہور ہوگیا۔

یہ بات نہایت دلچسپ ہے کہ جب ڈیموکرٹیس یہ خیالات پھیلا رہا تھا اُسی زمانہ میں انکزیگورس پیدا ہوا جس نے ان
تمام اصول کو مہمل اور ان سارے خیالات کو بے بنیاد ثابت کیا اور صدیوں تک ان کا باہم جھگڑا ہوتا رہا۔ آخر اس
حکیم نے بیان کیا کہ قدرت کا ایسا باقاعدہ انتظام اور انسان کی اس خوشنما شکل وصورت کی بنانے والی ضرور ایک ہستی ہے
جس میں ادراک اور ضمیر دونوں ہی ہیں۔ اسی حکیم نے گویا یہ اصول پیدا کیا اور اسی زمانہ سے گویا کائنات کے موجد
کا خیال پیدا ہونے لگا عقل کا یہ سلسلہ ایسا صاف اور سیدھا ہے کہ انسان اول ہی خیال میں اسے بخوبی سمجھ سکتا
ایک شخص کتنا ضمیر کے لئے اگرچہ بہت کچھ کذب اور فاسد خیالات اُسے رستہ سے بھٹکاتے ہیں پھر بھی فطرت
خود بخود صداقت کا رستہ کھول دیتی ہے ابھی نفس اور ادراک محض اپنی طفلانہ حالت میں تھا کہ تھیلس نے خیالات سے
مافوق الفطرت مادہ کو نکالنا چاہا مگر اُسے کامیابی نہیں ہوئی۔ پسندیدہ رایوں کے نکتہ چینیوں کے قضیہ سالیہ نے
انسانی ضمیر اور مذہبی یقین کی ہمیشہ نیک خدمت انجام دی ہے۔ تھیلس کی کوشش یہ تھی کہ یونانیوں کے مذہب پر بالکل
جھاڑو پھیر دوں اگرچہ اس خیال میں اُمید کے موافق کامیابی نہیں ہوئی پھر بھی یہ تو ہوا کہ کوہ اولمپس پر سے یونانیوں کے
فاسد خیالات کا کوڑا کرکٹ سمیٹ کے لیگیا انکزیگورس گیا اور اس نے ایک بے پایاں دانائی کو خدا خیال کیا اور
سمجھا کہ عین دانائی کے معنی خدا ہیں۔ سقراط۔ افلاطون اور ارسطو نے اس خیال پر کافی التفات کیا اور یہ عقیدہ نسلاً
بعد نسلاً نشو ونما پاتا رہا یہاں تک کہ موجودہ زمانہ میں مسٹر جے ایس مل نے بڑی زبردست دلیلوں سے خدا کی اُس ہستی
پر بحث کی جسے انسان کی عقل تراش سکتی ہے ارسطو کا مذہب خدا کی ہستی کی بابت یہ ہے کہ حیوانات اور فطرت میں

صرف ایک ضمیر ہے جو دنیا کے سلسلہ کی علت غائی ہے جو بالکل اس کے ساتھ ہم آہنگی کرتی ہے اور اسی کا ظہور انسان میں حواس خمسہ بن کے ہوتا ہے جس کا خیال ابتدا میں کسی کو بھی نہ آیا تھا۔"

ڈیموکریٹس کے بعد صوفیوں کا ایک گروہ پیدا ہوا جس کا یہ اصول تھا کہ صدق اور کذب نیکی اور بدی کی ہستی بغیر جماعت کے قایم نہیں رہ سکتی ان کا عقیدہ تھا کہ انسان میں سوائے اپنے خیالات کے دوسری اشیا کے جاننے کی طاقت ہی نہیں ہے۔

پھر سقراط پیدا ہوا جس نے اپنے ضمیری جوہروں سے بہت کچھ نئے اصول قایم کئے۔ اس خیال میں اُس نے انکزیگورس کی تائید کی کہ انسانی خیال ہی میں فہم و ادراک مدفون ہے اور روح جسم سے زیادہ قوی ہے اور یہ جسم کے فنا ہونے کے بعد بھی قائم رہتی ہے۔ وہ زور دیکے بیان کرتا ہے کہ انسان ایک اخلاقی فطرت اور یقین کا نام ہی انصاف اور قدیم وغیر فانی ضمیر کا نام خدا ہے جو سب پر حاکم ہے اُسمیں راستبازی اور نیکی انسان کیلئے چھپی ہوتی ہے جو جستجو کر لیسے اُسے مل سکتی ہے۔ اُسکے شاگرد افلاطون اور پھر ارسطو نے بھی اِسی کی تقلید کی اور سب نے اپنے نئے نئے خیالات قائم کیئے لیکن یہ ضرور ہوا کہ ان دونوں اُستاد و شاگردوں نے الحاد کے اصول سے سخت مخالفت کی اور اُن کے خیالات نے انسانی نسلوں کو بہت ہی فائدہ پہنچایا۔ بایں ہمہ ان کے خیالات زیادہ مقبول نہیں ہوئے اور کامل طور پر حضرت مسیح سے پہلے الحادی اصول عام مقبول رہے اپی کیورس اور لکریٹس نے ان خیالات میں اور بھی جان ڈال دی اور اخیر یہ مقولہ زبان زد ہو گیا کہ "راستبازی چیز ہی کیا ہے" اپی کیورس نے یہ تعلیم کی کہ شادمانی زندگی کا ایک عظیم اختتام ہے دانائی صرف اسلئے ہے تاکہ خوشی حاصل کرنیکے رستے بتلائے اور تدابیر پیدا کرے۔ راستبازی کی جستجو انسانی اولوالعزمی کو برباد کر دینے والی ہے۔ انسان کو لازم ہے کہ معبودوں کے خوف کو دل سے اٹھا کے خوشی کی طرف اپنا خیال رجوع کرے۔

الحادی مذہب کا سب سے بڑا امام لکریٹیس رومی ہوا ہے۔ اُس میں قوت بیانیہ کی ایک عجیب طاقت تھی اور اُس کی نظم جو اشیا کی فطرت پر تصنیف کی ہے ایک غیر معمولی دلفریبی اپنے ساتھ رکھتی ہے اور اُس کا علمی دنیا میں بہت ہی چرچا ہے۔ اُس کا خیال کسی علمی بنیاد پر نہ تھا اور نہ اُس کے اصول سے کوئی معتدبہ فائدہ اُس کی ذات کو پہنچ سکتا تھا اُس کا منشا صرف یہ تھا کہ انسان اُس مصیبت سے بچ جائے جو آئندہ عذابوں سے اُسپر آتی ہے اور وہ عذابوں کے فرضی خیالات سے پیدا ہوتا ہے اُس نے دیکھا کہ اس کے اہل ملک کے مذہبی خیالات میں سوائے بزدلی اور نا تراشیدگی کے ہمت اور شائستگی کا نام تک نہیں پایا جاتا۔ یونان اور رومۃ الکبریٰ کے معبود اپنے پرستش کرنے والوں کو جرائم سے نہیں بچا سکتے بلکہ اُن کے خیالات میں آئندہ تکالیف کی تاریکی کو کوٹ کوٹ کے بھر دیا ہے اُس کا یقین تھا کہ اس قسم کا یقین مشتبہ ہے اُس نے اپنی نظم میں ان معبودوں کی ہجو لکھی ہے اگرچہ مذہبی خیال لوگوں نے اُس کی اس نظم کو سخت حقارت کی نظر سے دیکھا تھا۔ وہ کہتا ہے خواہ کوئی مافوق الفطرۃ انسان ہو یا نہ ہو لیکن اُس میں یہ طاقت ہرگز نہیں ہے کہ وہ سلسلہ قدرت کو بدل سکے یا برباد کر سکے۔ اور مرنے کے بعد صرف یہی ہوتا ہے کہ جن اجزا کا انسان بنا ہوا ہے وہ علیحدہ علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ موت اُنہی کو تکلیف دیتی ہے جو آئندہ عذاب و ثواب کے قائل ہیں اور جنکے یہ بے بنیاد خیالات ہی نہیں ہیں وہ موت کی پرواہی نہیں کرتے۔

اس کا اصول یہ ہے کہ سماوی ذریعہ سے کوئی چیز نہیں پہنچی صرف فطرت چیز کو اس کی خاص حالت میں کر دیتی ہے اور کوئی چیز کبھی فنا نہیں ہوتی یہ اجسام جن میں عرصہ پایا جاتا ہے ہرگز پارہ پارہ نہیں ہو سکتے اور نہ کبھی ان کی صورت میں فرق آئے گا۔ یہ قدیم ہیں اور قدیم ہی رہیں گے وہاں ایک عرصہ ہے جس میں خلا ہے۔ اگر خلا نہ ہوتا تو بغیر ذرائع اور وسائل کے بھی چیزیں حرکت کرتیں کیوں کہ اجسام کی یہ خاصیت ہے کہ وہ ہمیشہ ایک دوسرے کے سد راہ ہوتے رہیں اور تمام اجسام کی مخالفت کرتے رہیں اس عرصہ کی نہ کوئی حد ہے نہ انتہا ہے۔ سوائے خالی عرصہ کے اور کسی تیسری فطرت کی ہستی نہیں ہے۔ کوئی تیسری چیز نہیں ہے جس کا کبھی بھی ادراک ہو سکے یا جسے کوئی شخص اپنی عقل سے پہچان سکے۔ اور جو چیزیں کہ دیکھتے ہیں وہ سب یا تو ان ہی سے پیدا ہوتی ہیں اور یا ان ہی کا سایہ ہیں۔

غرض جہاں تک ان قدیم الحادی اصول کو چھانا جائے گا یہ معلوم ہو جائے گا کہ علوم جدیدہ نے الحاد کے جو جو اصول قائم کئے ہیں ان میں ایک بھی نئی بات نہیں ہے۔ پروفیسر ٹنڈل نے اپنی کتاب میں یہ فقرہ لکریشیس کا نقل کیا ہے "بغیر معبودوں کی امداد کے فطرت اپنا کام کرتی ہے" یہ خیال لکریشیس کا تھا اور اس خیال کی اشاعت آج ترقی یافتہ ہر علم یورپ میں ہو رہی ہے۔ لکریشیس نے یہ بھی بتایا ہے کہ اجزائے لا یتجزیٰ کیوں کر ایک جگہ مجتمع ہو گئے اور فطرت کی ساخت کب ہوئی حکیم مذکور یہ تو جانتا ہی تھا کہ حرکت ایک جسم کو دوسرے جسم پر لگنے سے پیدا ہوتی ہے لیکن اس نے اس سوال کا کہ جسم کو کون شئے حرکت دیتی ہے "نہیں دیا عرصہ تو حرکت دے ہی نہیں سکتا اور ساتھ ہی وہ اس سے بھی انکار کرتا ہے کہ سوائے عرصہ اور خلا کے اور بھی کوئی چیز ہے اور اسی بنا پر وہ دلیری سے کہتا ہے کہ اجزا میں خاصیت حرکت کرنے کی ہے میل مرکزی کے تھوڑے بہت علم سے بھی وہ واقف تھا اس لئے وہ جانتا تھا کہ تمام اجسام اپنے وزن سے گر پڑتے ہیں جب تک کہ ان کو کوئی سہارنے والا نہ ہو۔ اسی بنا پر شل ڈیموکریٹس کے اس نے اشیا کی ابتدائی حالت کی تصویر کھینچی ہے جس میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ بے پایاں عرصہ میں اجزائے لا یتجزیٰ کی آبشار گر رہی ہے۔ اب خیال ہو سکتا ہے کہ زمانہ حال کی تحقیق کے آگے یہ خیال کیسا لغو اور بیہودہ ہے۔ اصل یہ ہے کہ عرصہ میں نشیب و فراز کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ فراز کے معنی ہیں کہ ہم میل کشش کے زمینی مرکز سے علیحدہ ہیں۔ اس لئے نشیب و فراز کے خطوط جن سے ہم واقف ہیں متوازیہ نہیں ہیں جیسا کہ لکریشیس کا خیال ہے بلکہ عرصہ میں ہر ممکن سمت سے دائرہ کا محیط فراز کی طرف جاتا ہے۔ لکریشیس کو اگرچہ ناکامی نصیب ہوئی پھر بھی اپنے مفروضہ اجزا کے حرکت دینے کے لئے بڑے ہی عقلی جوڑ توڑ لگائے ہیں۔ ڈیموکریٹیس کا قول ہے کہ جب اجزا خلا میں سے ہو کے ایک خط مستقیم میں گرتے ہیں تو بڑا جزو بہ نسبت چھوٹے جزو کے تیز چلتا ہے اور پھر وہ چاروں طرف پریشان ہو کے باہم مل جاتے ہیں اور ان کے ملنے سے دنیائیں قائم ہو جاتی ہیں۔ مگر ارسطو نے اگرچہ طبیعات میں اس سے صریح غلطیاں ہوئی ہیں اس کی نسبت یہ رائے ظاہر کی ہے کہ ایک کامل خلا میں جس میں کسی قسم کی مزاحمت نہ ہو چھوٹے اور بڑے اجزا ایک ہی حالت میں گریں گے اور کبھی باہم مس نہ کریں گے۔ مگر یہ اجزا کبھی خط مستقیم میں نہیں گرتے۔ تم خود ہی خیال کرو (ارسطو کہتا ہے) کہ وزنی اجسام کو بغیر حرکت دیئے کبھی جنبش نہیں ہو سکتی کون ہے جو اجزا کو دیکھ سکتا ہے کہ اجزا اپنے سیدھے رستہ کے دوسرے ذرا بھی کسی طرف حرکت نہیں کر سکتے" دیکھنا یہ ہے

کہ جن حکما پر اب نکتہ چینیاں ہو رہی ہیں اور اُن کی رایوں پر مضحکہ اُڑایا جاتا ہے وہ اپنے زمانہ میں بہت بڑے نامور تھے
اور لوگ یہ سمجھتے تھے کہ ان سے زیادہ عقلمند کوئی پیدا ہی نہیں ہوا جو ان کے اصول ہیں وہ کبھی نہیں بدلے جا سکتے مگر
موجودہ زمانہ میں اُن کے اصول کو محض طفلانہ شیریں کلامی سے زیادہ وقعت نہیں دیجاتی یہی کیفیت آئندہ زمانہ میں
ہمارے موجودہ مفروضہ اصول کی ہوگی اور ہماری اولاد ہمارے خیالات پر ہنسیگی۔ ہمیشہ سے یہ چلا آتا ہے اور ہمیشہ تک
یہی ہوتا چلا آئے گا۔ مگر دیکھنے کی یہ بات ہے کہ جن اصولی عقائد کے ساتھ خدا کی مرضی بھی شامل رہی ان کی صدیوں سے
ایک حالت ہے وہ نہ کبھی بدلتے ہیں نہ بدلیں گے اور اُن میں نہ کوئی تبدیلی پیدا کر سکا نہ کسی کو آئندہ تبدیلی پیدا کرنے
کی جرأت ہوگی۔ دنیا کیوں کر بنی اور کب بنی یہ سب بے نتیجہ خیالات ہیں نہ اسے کوئی ثابت کر سکتا ہے نہ آئندہ کر سکے گا۔
ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ رائے ہے اور باہم فلسفیوں میں بڑا اختلاف ہے۔ یہ عظیم اختلاف خود اسبات کی شہادت دیتا
ہے کہ یہ اصول ہی سرے سے لغو ہے۔ علوم جدیدہ نے یہ صحیح ہے کہ طبیعات کے اصول میں قدیم فلسفیوں کی اغلاط
کی اصلاح کی ہے مگر علوم جدیدہ کیا امید رکھ سکتے ہیں کہ آئندہ نسلیں اسی طرح اُن کے مفروضہ اصول کی اصلاح نہ کرینگی۔
مِل اور ڈارون کے موضوعہ اصول فی زمانتا ایک حد تک یورپ نے تسلیم کر لئے ہیں مگر حقیقت کا ابھی تک پتہ نہیں لگا
ہے اور مذہبی گروہ جو اسی آب و ہوا میں رہنے والا وہی دماغ رکھنے والا اور وہی خون اُس کی رگوں میں ہے بہت شد و
مد سے تردید کر رہا ہے کسی ایک خیال کا پابند ہونا یا کسی کی آنکھیں بند کر کے تقلید کرنا سخت نادانی ہے ہم نے مل کی
کل تصنیفات بغور دیکھی ہے ہم نے ڈارون کے موضوعہ اصول پر بخوبی توجہ کی ہے ہم نے یونانی حکما کے خیالات
پر مدتوں غور کی ہے مگر اخیر میں جو سوال ہمارے دل سے پیدا ہوا وہ یہ ہے کہ اگر تھوڑی دیر کے لئے فرض کر لیں کہ
تمام دنیا کے یہی خیالات ہو جائیں تو انتظام کی کیا کیفیت ہوا ور اخلاقی اثر کس قدر معدوم ہو جائے۔ یہ خوب سمجھ لیا جانے
کہ جن چیزوں کو ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں ایک تو ان کا جسم ہے جو ہمیں معلوم ہوتا ہے اور ایک ان کی خاصیت ہے
جو ہمیں تجربہ سے معلوم ہو جاتی ہے اور ایک راز ہے جو نہ ان ظاہری آنکھوں سے معلوم ہو سکتا ہے نہ تجربہ سے
بلکہ روشنضمیری اور فیضان الٰہی سے۔ اگر ڈارون نے فرض کرو کہ یہ ثابت کر دیا کہ پودہ اور آدمی کی زندگی کی بہت سی
حالتیں باہم ملتی جلتی ہیں اور آدمی ترقی یافتہ بندر ہے پھر بھی وہ کوئی شہادت ایسی نہیں دے سکا جس سے آخر کا
آخر الذکر اصول تسلیم کر لیا جاتا علوم جدیدہ نے ہمیں تعلیم کی ہے کہ جو چیز مشاہدہ میں نہ آئے وہ ہرگز تسلیم کرنے کے
قابل نہیں ہے جب تک ڈارون ایک بندر کو انسان بنا کے نہ دکھا سکے ہرگز اُس کے مفروضہ اصول پر یقین
نہیں ہو سکتا بہر حال انسان کی ساخت خواہ کسی صورت سے ہوئی مگر علوم جدیدہ ابھی تک اُن جوہروں کا پتہ نہ
لگا سکے جو اس کی ذات میں مضمر ہیں۔ قوانین قدرت کو اپنے خیال کے موافق محدود کرنے کا نام عقلمندی نہیں ہے
سر اسحق نے نہایت انصافانہ طور پر لکھا ہے کہ باوجود جد و جہد اور ترقی مجھے قوانین قدرت کی ابجد خوانی بھی ابھی نہیں
آئی اور میں مثل اُس شخص کے ہوں جو سمندر کے کنارہ پر پڑا ہوا چمکتی ریت میں ہاتھ پیر پیٹتا ہے ان معمولی مشاہدوں
کا نام کہ بغیر ابر کے پانی نہیں برستا اور بغیر بوئے غلہ پیدا نہیں ہوتا اور بغیر پانی پئے پیاس نہیں بجھتی قوانین قدرت

کی تکمیل نہیں ہے۔ اور اگر قوانین قدرت کا سبق پڑھنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی تکمیل ہوچکی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ جدید تحقیقات میں صدہا جانیں اور کروروں روپیہ خرچ کیا جا رہا ہے اور تمام عالم کو چھان ڈالا ہے۔ کائنات کے علم کی تکمیل تو ایک طرف رہی ابھی اس زمین کی پوری تحقیق نہیں ہوئی جس پر ہم رہتے ہیں۔ ہمارے جغرافیہ کے علم کا بہت حصہ محض فرضی اور ناقابل تسلیم ہے۔ ہر جنگ میں کچھ نہ کچھ جغرافیہ کی تحقیق میں خامی نکلتی ہے اور اس کی بعدازاں اصلاح کی جاتی ہے۔ نہ ہمیں ابھی تک افریقیہ کا حال معلوم ہوا ہے نہ چین کا نہ بحر منجمد کے پار ہم جا سکے ہیں نہ ہندوستان کے کوہ ہمالیہ پر چڑھ سکے ہیں ہماری مجبوری اسی سے عیاں ہے اور ہماری کمزوری کے لیے یہی کافی شہادت ہے۔

تو کارِ زمیں را نکو ساختی + کہ با آسماں نیز پرداختی

بہرحال جو کچھ ترقی ہوئی وہ غنیمت ہے اور جو کچھ فطرت کی ظاہری قوتیں قبضہ میں آئی قابل تعریف ہیں مگر ہنسی تو اُس وقت آتی ہے کہ جب ایک شخص کی سمجھ میں فطرت کا راز یا قوانین قدرت کی کوئی باریکی نہ آئے یا اور کوئی نازک مسئلہ خیال میں نہ آئے اور وہ بہت جلد بول اُٹھے کہ یہ قانون قدرت کے خلاف ہے۔ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ جن باتوں کو آج قانون قدرت کا مخالف بیان کیا جاتا ہے کل بھی ان کی یہی کیفیت رہے گی اور کون یقین کر سکتا ہے کہ جن اصول کی علوم جدیدہ آج حمایت کر رہے ہیں کل بھی اسی طرح اُن کی حمایت کرتے رہیں گے۔

دنیا فی الحقیقت ایک باغ ہے جس میں صدہا قسم کے پھول لگے ہوئے ہیں اور سب کی خوشبو الگ الگ ہے ہزاروں گروہ ہیں اور سب کے عقاید محسوسات معاشرت خصوصیات علیحدہ علیحدہ ہیں ایک دوسرے کی تکذیب کرتا ہے علوم جدیدہ والے قدیم خیالات کے لوگوں پر مضحکہ اُڑاتے ہیں اور قدیم خیالات والے اُنہیں مجنون سمجھتے ہیں ثالث بالخیر ہونا چاہیے اور اسی کا ملنا کٹھن ہے۔ دنیا میں ایک بہت بڑا گروہ موجود ہے جو کئی ہزار برس سے چلا آتا ہے اور جس کا عقیدہ یہ ہے کہ عالم خدا ہے۔ یا کل کائنات خدا ہی ہے ہم بے شمار اشیا کی گوناگونی اور اُن کی تبدیلیاں دیکھتے ہیں اور جو علے التواتر حرکت اور تبدیلی کے ساتھ دست و گریبان رہتی ہیں۔ ان کے تمام اختلافات اور تبدیلیاں ضمیری تفحص کی عجیب یگانگت سے صاف معلوم ہو جاتی ہیں۔ ملحدوں کا تو یہ مذہب ہے "کہ ان تمام حادثات کا ظہور اس خاص چیز سے ہوتا ہے جسے مادہ کہتے ہیں۔ اور توحید کی تلاش کرنا گویا کائنات کو گھٹا کے اجزائے لایتجزیٰ کی انتہائی تعداد تک پہنچا دیتا ہے"۔ عالم کو خدا ماننے والے کہتے ہیں "تمام یہ حادثات طبیعہ منظر یا سایہ ہیں صرف ایک چیز کے جسے خدا کہتے ہیں۔ خدا کی کوئی حد پایاں نہیں اندر باہر خارج داخل سوائے اُس کے کچھ بھی نہیں ہے اسلئے جو کچھ ہے وہ خدا ہی ہے" اس عقاید کے بعض علما کا یہ قول ہے کہ مادہ دراصل کوئی چیز ہی نہیں ہے صرف ہمارے ضمائر کا ایک خیال ہے۔ بعض کا یہ قول ہے کہ مادی دنیا خدا کا جسم ہے۔ بے پایاں روح اسطرح سے سلسلۂ فطرت میں عیاں رہتی ہے جیسے کہ انسانی جسم میں۔ مگر سب سے زیادہ دلفریب خیال یہ ہے جس سے زیادہ دلچسپ اس عقیدہ کی کسی کتاب میں نہیں پایا جاتا مثلاً ان کا خیال ہے کہ وقوف کا نام خدا ہی وہ فانی ہی ہے اور باخبر روح بھی ہے۔ سب چیزوں سے بڑا ہے۔ اور اُن کی اپنی قوت سے رہنمائی کرتا ہے۔ مگر جو اُن کا اصلی اور حقیقی اصول ہے وہ یہ ہے۔ سوائے سلسلۂ فطرت کے خدا میں زندگی نہیں

ہے۔ اس لئے کہ وہ صاحب وقوف نہیں ہے اور جتنے لوگ صاحب وقوف ہیں وہ گویا خدا کے ہی بچے ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں اور اُن میں سے ہر شخص کا یہ قول ہے کہ میں خدا ہوں اور کوئی شے میرے سوا نہیں"۔

اب ہندوؤں کی حالت اور اُن کے مذہب پر خیال کیا جائے عام طور پر لوگ اُنہیں نا سمجھ بت پرست سمجھتے ہیں مگر تحقیق سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ اس بت پرستی کا سلسلہ ایک قدیم فلسفہ سے نکلا ہے۔ اصل یہ ہے کہ ہندو علم ادب کا علم ہمیں براہ راست نہیں ہے انگریزی علما کے طفیل سے ہمیں وید سے واقفیت ہو گئی ہے اگرچہ ہم اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتے کہ وید کا ترجمہ صحیح صحیح کیا گیا ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ آج تک کسی ہندو کو اس پر نکتہ چینی کرنے کا موقع نہیں ملا اس لحاظ سے ویدوں کا ترجمہ بہت صحت کے ساتھ کیا گیا ہے جرمنیوں نے اور بھی زیادہ تحقیق کی ہے اور یقین کیا جاتا ہے کہ یورپ میں جس قدر سنسکرت جاننے والے ہیں ہندوستان میں ایسے کم نکلیں گے۔ پھر بھی یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بت پرستی کے فلسفہ کا علم بہت ہی ناکامل ہے۔ خیالات اور موجودہ مذہبی معاشرت اور کتابی مذہب میں اس قدر اختلاف ہے کہ محقق سخت پریشان ہو جاتا ہے۔

یہ عام طور پر یقین کیا جاتا ہے کہ توحید ہندوستان کا ابتدائی اصول ہے۔ اور یہاں خالص توحید عام طور پر پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے ثبوت میں رام چندر جی کی وہ قسم موجود ہے جو اُنہوں نے بششٹ جی کے آگے کھائی تھی کہ اگر میں ایسا کروں تو خدائے واحد کی پرستش چھوڑ کے دیبی دیوتاؤں کی پرستش کرنے لگوں یعنی غیر خدا کی پرستش کرنی ایسی بُری ہے"۔

اب ہم وید پر اپنی توجہ مبذول کرتے ہیں کہ اُس کے مذہبی عقائد کیا ہیں اور ویدوں نے پرستش کس کی قرار دی ہے۔ سب سے پہلے وید کی مناجاتوں پر غور کرنا چاہئے۔ اس میں فطرت کی اشیا کی بہت سادہ طریقہ سے پرستش کی گئی ہے مثلاً روشن آسمان کی چمکتے سورج اور ستاروں کی۔ صبح کے طلوع ہونے کی بادلوں۔ دریاؤں اور درختوں کی اور ساتھ ہی خارجی فطرت کی تمام اشیا کی۔ پھر یہ پرستش کی اشیا بتدریج نظم میں لائی گئیں اور ان نظموں نے لوگوں کے دلوں کو اس قدر مسخر کیا کہ وہ مذہبی عبادت کا ایک جزو اعظم بن گئیں۔ بعینہٖ یہی کیفیت یونانیوں اور عبرانیوں کی تھی کہ وہ بھی اپنی اپنی مذہبی نظموں کے ساتھ اپنے معبودوں کی عبادت میں سرمست دکھائی دیتے ہیں۔ اس تعظیم و تکریم نے بت پرستی کی طرف رہنمائی کی چونکہ انسان کے دل میں خوشی غم ڈر خوف دلیری کا مادہ ہے اس لئے ان نظموں نے وقتاً فوقتاً ان قوتوں کو اُبھارا اور مذہب اور عقیدہ کی نئی صورت قائم کر دی۔ اور نئے نئے رواج اور رنگ برنگ کی رسمیں اس میں پیدا ہونے لگیں۔ بت پرستی نہ گزشتہ زمانہ میں نہ اب تفحص کناں دماغوں کی تسکین کر سکی۔ کیونکہ ایک عاقل شخص کے دل سے بار بار یہ سوال پیدا ہوتا ہے" اتنے بے تعداد معبود عالم ہستی میں کیوں کر آئے؟ ان کا باہم کیا تعلق ہے اور اُن کا دُنیا، زمانہ گزشتہ۔ آئندہ اور موجودہ سے کیا تعلق ہے؟"

مگر جب روشن ضمیری نے آگے اپنا رستہ پیدا کیا اور دل و دماغ نے آگے کا کھوج لگایا تو اتنا ضرور معلوم ہوا کہ ان بے تعداد معبودوں کے پیچھے ایک ذات واحد بھی ہے جو سب کی مالک اور سب کی خالق ہے اور نہایت دانائی سے اُنہوں نے خیال کیا کہ یہ اکیلی ذات ضرور سب چیزوں کی مالک ہے اور جو کچھ ہے وہی ہے۔ پھر یہ مابعد الطبیعت عقیدہ

پیدا ہوا کہ اگر کوئی بے پایاں ذات موجود ہے تو پھر اور چیزوں کی ہستی کیسی۔ اگر کہو کہ کچھ ہے تو اس کے یہ معنی ہونگے
کہ کچھ زیادہ بھی ہو سکتی ہے لیکن جو کچھ بے پایان ہے وہاں اس سے بھی زیادہ ہونا چاہئے بس اس کا جواب یہ ہے کہ جو
بے پایاں سے زیادہ چیز ہے وہ ایک ہی ذات ہے۔ اگر ضمیر کو اس میں کچھ پریشانی ہو تو تعجب نہ کرنا چاہئے واقعات اگرچہ
بدیہی ہیں مگر ان کا عقلی طور پر سمجھنا بعض اوقات پریشانی میں ڈالدیتا ہے پریشانی فی الحقیقت کلامی ہے۔ مثلاً ہم یہ کہیں
کہ بہت سی اشیا مختلف قسم کی بے پایاں ہیں اور ان میں سے ایک دوسرے کو جگہ سے نہیں ہٹا سکتیں۔ بے پایاں وقت
بے پایاں عرصہ کے ساتھ مجتمع ہو سکتا ہے ضمیر جیسا کہ بہت سے عاقل یورپیوں کا خیال ہے مادہ کو عرصہ سے جگہ سے بے جگہ
نہیں کر سکتا۔ بے پایاں محبت بے پایاں دانائی کو خارج نہیں کر سکتی اور نہ قوت نیکی کو نکال سکتی ہے پھر دوسری صورت
سے خیال کرو بے پایاں اشیا میں بہت سی بے پایاں خاصیتیں ہیں اور ان پر بلاحاظ مدارج ان کا قبضہ ہے۔ یہی خاصیتیں
اپنے ساتھ دنیا میں پیدا کرنے کی قوت شامل رکھتی ہیں جو پیدا ہوا ہے یہ ضرور نہیں ہے کہ وہ خود ہی ظہور میں آیا ہو۔ جو
کچھ ہے گزر جائے گا اس کا صانع اسی طرح برقرار رہے گا۔ ان ہی خاصیتوں میں ایسے باوقوف نفوس کے پیدا کرنے
کی قوت بھی جو اس قابل ہیں کہ تعلیم پائیں اور شائستگی سیکھیں۔ حاصل کلام یہ کہنا پڑے گا کہ ایک ذات ہے ہاں اگر اسکی
قوتوں سے انکار کیا جائے تو یہ ایک بے معنی سی بات ہو جائے گی کیوں کہ انکار کرنے سے پہلے یہ سمجھنا چاہئے کہ بے
پایاں کیا ہے اور اسے کیوں بے پایاں کہتے ہیں۔ قرآن مجید نے جو کچھ خدا کی ہستی پر بحث کی ہے وہ ایک ایسی عاقلانہ
توضیح ہے کہ اس سے بہتر ممکن نہیں نہ تو عیسائیوں کی طرح یہ کہا ہے کہ خدا محبت ہے اور نہ دانایان ہنود کی طرح صرف
یہ کہدیا ہے کہ بس ایک ذات کا نام خدا ہے اور اسے برہما کہتے ہیں بلکہ اس طرح سمجھایا ہے کہ ایک جاہل سے لے کے
حکیم تک اپنے حقیقی خالق کی عظمت دل پر جم جائے اور اس کی جبروت خداوندی کا ایک سچا نقشہ اس کی آنکھوں کے
آگے کھنچ جائے۔ اس سے بہتر نہ کوئی سمجھا سکتا ہے اور نہ کسی نے سمجھایا۔ ناواقف اعتراض کرتے ہیں کہ کل انسانی
صفات خدا پر اڑہا دی ہیں اور اس لئے مسلمانوں کا خدا مثل ایک انسان کے ہے مگر یہ بات نہیں ہے معترض اتنی
سی موٹی بات کو نہیں سمجھتے وجہ یہ ہے کہ انسان کے ساتھ رحیم کریم وغیرہ کے الفاظ محض مجاز کے طور پر آتے ہیں
حقیقت سے ان الفاظ کو جب وہ انسان کے لئے مستعمل ہوں کوئی واسطہ نہیں ہے مگر جب ان کا استعمال بر حق
خالق کے لئے ہوتا ہے تو ان الفاظ کے حقیقی معنی لیتے ہیں۔ اگر مسلمان عیسائیوں سے یہ سوال کریں کہ خدا محبت ہے
اس کے کیا معنی ہوئے؟ اور آیا خالق کائنات انسان کی طبیعت کا ایک ادنےٰ جذبہ بن سکتا ہے کیونکہ محبت طبع
انسانی کا ایک خیال یا جذبہ کا نام ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ہندو جسے برہما اور پاتن کہتے ہیں اگر اسے ذات واحد مان لیں تو اور معبودوں کی نسبت
کیا خیال کریں۔ بہت سے ہندو فلسفی ایسے ہوئے ہیں جنھوں نے خارجی عالم کو محض اپنی ذات کا ایک خیال تصور
کیا ہے اور کہتے ہیں جو کچھ ہیں ہم ہی ہیں ان میں سے ایک بڑے فاضل کا یہ قول ہے "میں خیال کرتا ہوں
اس لئے کہ میں ہوں" لیکن یہ آدھا تیتر آدھا بٹیر والا عقیدہ ایک عاقل اور بالغ شخص کو مطمئن نہیں کر سکتا۔ اگر تنہا ایک

شخص کھڑے ہو کے یہ کہے کہ جو کچھ ہوں میں ہوں اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ محض خیال ہی خیال ہے اور جو
کچھ نظر آتا ہے میرے خیال کا سایہ ہے ایسا شخص ضرور برہما ہونا چاہئے یا اس سے بھی کچھ زیادہ۔ ہر شخص کی کائنات پر نظر
ہے اور اُسے دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے میں اور میں نہیں یہ کچھ نادانی اور بے وقوفی نہیں ہے جس نے دو غیر مساوی حصوں
میں اشیا کی تقسیم کردی ہے بلکہ اسے خیال کی ضرورت کہتے ہیں۔ خیال کرنے والا اپنے کو جانتا ہے اور جو کچھ وہ کرتا ہے اُس کا
خیال کرتا ہے اور تمام چیزوں پر نظر کرتا ہے اور اُنہیں خارجی اشیا میں شمار کرتا ہے۔ اخیر ان بے تعداد ذاتوں کی لاینحل
مشکلات کے ساتھ کیا گیا جائے ہر ایک باوقوف بھی ہے اور علیحدہ علیحدہ بھی زندگی رکھتی ہے۔ ہندو اسے نہایت
موثر اور پرزور طریقہ پر بیان کرتے ہیں اور ان کا قول ہے کہ یہ سب مایا یعنی دھوکے کی ٹٹی ہے خبرت خود ایک دھوکے کی
ٹٹی ہے اور اسی بنا پر دنیا کو محض دھوکا ہی کہا جاتا ہے۔ برہما اپنی ذات سے خود بے خبر تھا اور جس طرح ہم اپنی حالت جانتے
ہیں اُسے اتنا بھی وقوف نہ تھا مگر اُس نے خارجی اشیا کو کبھی جانا کیوں کہ خارج میں سوائے دھوکے کی ٹٹی کے اور کچھ
نہیں ہے۔ نہ اُن میں صفات ہیں نہ خواص ہیں کچھ بھی نہیں ہے مگر پھر رہا ہے۔ اس لئے ہندو دانائی کی پختگی یہ تھی اور یہ
کہ کوئی بھی چیز نہیں ہے اگر ہے بھی تو کچھ نہیں۔ سب خواب و خیال ہے اور اُس کی کچھ ہستی نہیں ہے اخیر یہ دھوکے کی ٹٹی
بھی اُٹھے گی اور ہم پھر برہما کی ذات میں غرق ہو جائیں گے جس کی ذات لاشئے محض کا دائمی امن ہے اور پھر بہت جلد
ہمیں خطرناک قید یعنی زندگی سے نجات ملجائیگی۔

اب ہم ان سے یہ سوال کرتے ہیں کہ وہ خودکشی کیوں نہیں کر لیتے؟ کیوں کہ اس سے وہ بات حاصل ہو جائے گی
جس کے حاصل کرنے کا اُنہیں بہت ہی تردد ہے۔ ایک فلسفی دماغ ہندو کے لئے خود بخود فنا ہو جانا جنم واصل نہیں کرتا
بلکہ اس خیال کے موافق اُسے مکتی نصیب ہو جاتی ہے۔ مگر قدیم داناؤں نے خودکشی کو نہایت عقلمندی سے ایک مہمل
کام تصور کیا تھا۔ یہ فی الحقیقت ایک آسان بات تھی کہ جب تمام عالم اور تمام اشیا محض خیال ہی خیال ہے تو وہ ایک خیالی
چھری اپنے گلے پر پھیر لیتا مگر خیال کی اس گاڑی میں ایک روڑا اور بھی اٹکا دیا گیا ہے کہ اس طرح سے مرنے والا سانپ یا
شیر یا کتے کی جون میں پیدا ہوگا یہ گویا تناسخ کی ایک فلسفیانہ نظر تھی اُنہوں نے یقین کیا کہ انسان بے شمار دور
خیالی زندگی کے پورے کرتا رہتا ہے اور موت اُسے ہولناک حالتوں میں نئی نئی صورت سے گرفتار کرتی رہتی ہے۔
اچھا وہ ذات جو برہما کی ذات میں ملجانے کی قابلیت رکھتی ہے اُسے خارجی اشیا کے مذاق سے اپنی توجہ بالکلیہ پھیر
لینی چاہئے تمام معمولی خواہشوں کو مٹا دینا اور تمام ظاہری دلفریبیوں کو محض لغو اور بے بنیاد سمجھنا چاہئے اور خیال
کو بالکل برہما کی ذات میں ملا دینا چاہئے جب یہ صورت ہو جائے گی تو ہزار ہا برس کے دورہ کے بعد اپنی خبرت اور خودی
کا خیال جاتا رہے گا اور ایک ذات کے کامل امن میں محو ہو کے پھر کسی چیز کی خبر نہ رہے گی یعنی وہ انسان لاشئے محض
کے درجہ پر پہنچ جائے گا یعنی کامل فنا صدہا ہزارہا برس کے دوروں اور تکالیف سہنے کے بعد حاصل ہوگی اور
ہندوؤں کے عقیدہ میں کامل فنا ہو جانے کا نام مکتی یا نجات ہے ان کے مذہب کی یہی کائنات ہے اور یہی ان کے
فلسفہ کا لب لباب ہے۔ ہزارہا سال کے مجاہدوں مراقبوں اور عبادتوں کا اخیر یہ صلہ دیا گیا ہے کہ کامل فنا ہو جائیگی

اس ۱۹ ویں صدی میں بھی ایسے ہندو نظر آتے ہیں جو برہما کی ذات میں جذب ہو جانے کی کوشش کرتے ہیں اور فی الحقیقت ان کی کوشش نہایت ہی خطرناک ہوتی ہے مثلاً ایک ہاتھ یا ٹانگ کو خشک کر لینا اور اُلٹا درخت میں لٹکتا رہنا یا اپنے کو سکھا سکھا کے مار ڈالنا۔ یہ بیچارے بہت ہی قابل رحم ہیں کیوں کہ یہ تمام ناقابل برداشت تکالیف محض اس ادنے اور بے بنیاد وصلہ پر برداشت کرتے ہیں جس سے فی الحقیقت انہیں کچھ بھی فائدہ نہیں ہے۔ ہم اسکے بعد ایک اور گہری نظر ویدوں پر کرنا چاہتے ہیں اور ہمارا خیال ہے کہ ویدوں کا نفس مطلب ناظر تفسیر کے آگے بیان کر دیں ہم نہایت منصفانہ طور پر ویدوں کی ہر بات کو جانچیں گے اور ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ ایک حد تک ہماری جانچ غلط نہ ہوگی۔ جو کچھ لکھا جائے گا راستبازی اور انصاف سے لکھا جائے گا اور کوئی فاضل برہمن اُس میں ایک حرف کی بھی غلطی نہ نکال سکیگا۔

وید مقدس اور ویدک زمانہ کا تمدن

(ویدوں کی کمیابی)

ہر چند ہندو اپنے مقدس وید کی نہایت تکریم و عزت کرتے ہیں لیکن اکثر ایسے ہیں جنہیں ویدوں کی ماہیت اور حقیقت کا بہت ہی کم علم ہے جب تک یورپ کے ممالک میں طبع نہیں ہوئے اُن کی صورت عام طور پر کسی کو دیکھنی نصیب نہ ہوتی ہندوستان میں اس سے پہلے بہت کم نسخے باقی تھے چنانچہ ڈاکٹر برنیر صاحب اپنے مشہور وقایع سیر و سیاحت ہند میں لکھتے ہیں کہ "اورنگ زیب کے زمانہ میں جب نواب دانشمند خاں کو جو امراء دربار عالمگیری میں ایک بڑا منصبدار اور معزز و مکرم اور اپنے علمی کمال کے سبب ملاشغیائے بزرگی مشہور تھا ویدوں کی خریداری کا شوق ہوا تو بہت بڑی تلاش و جستجو پر بھی ایک کتاب نہ ملی لیکن یہ کتابیں بنارس میں مجھے دکھائی گئی تھیں اور اگر وہ مقدس وید ہی تھے تو فی الواقع اُن کی ضخامت بہت بڑی تھی۔ ہندو اُن کو بڑی ہوشیاری سے چھپائے رکھتے ہیں کہ مبادا مخالفین کے ہاتھ لگ جائیں اور وہ اُن کو جلا دیں" یہ بیان ڈاکٹر برنیر صاحب کا ہے جو انتہا درجہ کا متعصب اور غلط وقایع نویس ہے اور تعجب ہے دیکھا جاتا ہے کہ اُس نے آج تک کوئی بھی صحیح واقعہ عالمگیری دربار کا اپنے سیاحت نامہ میں درج نہیں کیا۔ اکبر کا زمانہ جب ہندوؤں کے لئے خیر و برکت کا زمانہ بیان کیا جاتا ہے وجہ کیا کہ اُس طویل زمانہ میں ویدوں کی اشاعت نہیں ہوئی۔ جہانگیر کے زمانہ میں بھی ہندوؤں پر مذہبی پہلو سے کوئی نکتہ چینی نہیں ہوئی نہ شاہجہاں کے عہد میں انہیں ستایا گیا پھر شہنشاہ کے وزیر کا وید کی تلاش میں ناکام رہنا محض اس وجہ سے سمجھ میں آتا ہے کہ ہندو اپنی مقدس کتاب کی اُن لوگوں کو ہوا بھی نہ دیتے تھے جو ان کے خیال میں ملیچھ یعنی ناپاک تھے اور نہ عام طور پر مسلمان تو درکنار ہندوؤں کی دوسری ادنے ذاتوں کو اُس کی تعلیم دیجاتی تھی جلانے کا خوف محض لغو اور بے بنیاد ہے۔ کوئی تاریخ ایسی نہیں ہے جس میں یہ لکھا ہوا ہو کہ عالمگیر نے یا کسی اور بادشاہ نے فلاں دن وید کی کوئی جلد جلادی بہر حال صحیح کچھ ہو وہ یہ ہے کہ ابتدائی ہی سے وید عنقا کی صفت رکھتا ہے اور ایک مقدس کتاب کے لئے جسے الہامی یا آسمانی کہا جاتا ہو یہ ایک نہایت ہی ناواجب امر ہے۔

پروفیسر میکس ملر صاحب لکھتے ہیں کہ جب راجہ رام موہن رائے لندن میں تھے تو انہوں نے ایک روز انگریزی عجائب خانہ میں دیکھا کہ جرمنی کے مشہور عالم سنسکرت فریڈرک روسن صاحب رگ وید کی نقل کرنے میں ہمہ تن مشغول ہیں۔ راجہ کو سخت استعجاب ہوا انہوں نے روسن صاحب سے کہا کہ آپ منتروں کے اوراک مطالب میں تضیع اوقات نہ کریں اس میں اقوال اُپنشد زیادہ تر مطالعہ کے قابل ہیں۔ یورپ کے علما کو مدت تک وید کے اکتساب میں عوائق اور مشکلات لاحق رہیں اگرچہ انگریزوں کو سنسکرت کی نادر الوجود اور نایاب کتابیں دستیاب ہوئیں لیکن وید کی کوئی قلمی پوتھی نہ ملتی تھی اور اگر کہیں کوئی نسخہ ہاتھ آگیا تو پنڈت صاحبان ملیچھوں کے لئے اُس کے ترجمہ کرنے سے محض انکار کردیتے تھے معلوم ہوتا ہے کہ صرف کولبروک صاحب ہی ان تمام دشواریوں اور دقتوں پر غالب آئے اُنہوں نے ویدوں یا ہندو کتب مقدسہ پر مضامین لکھے جو سنہ ۱۸۰۵ء میں شایع ہوئے تھے اور اب تک اُن کی قدر و منزلت کی جاتی ہے۔

سنہ ۱۸۳۰ء میں روسن صاحب نے رگ وید کے منتروں کا ایک نمونہ چھاپا اس کے بعد اُن کا انتقال ہوگیا۔ انہوں نے رگ وید کا پہلا مقالہ لاطینی میں ترجمہ کیا تھا جو اُن کی زندگی ہی میں ختم ہوگیا تھا مگر سنہ ۱۸۳۸ء میں اُن کی وفات کے بعد شایع ہوا۔

سنہ ۱۸۴۵ء میں پروفیسر میکس ملر صاحب نے اصل رگ وید اور مجتہد سیاناکی تفسیر کی نقل لکھی اور ایک یا دو سال بعد آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی نے اُنہیں اپنے مصارف سے اُن کے چھاپنے کی اجازت دی چنانچہ سنہ ۱۸۴۹ء میں اُس کی پہلی جلد شایع ہوئی اور جلدوں کے اہتمام میں بیس سال صرف ہوئے اور پھر ایک نئے ایڈیشن کے مصارف مہاراجہ وزیانگرم نے ادا کئے۔

سنہ ۱۸۶۱ء میں بمقام برلن اصل رگ وید رومن حروف میں چھاپا گیا۔ پروفیسر ولسن صاحب نے رگ وید کا ایک انگریزی ترجمہ مجتہد سیاناکی تفسیر کے مطابق مرتب کیا تھا۔ پادری سیکنڈ انلڈ صاحب شنکر پنڈت کے ویدارتھ تنیا کا ذکر کرتے ہیں جو ایک انگریزی اور مرہٹی ترجمہ ہے جس میں حل معنی اور شرح بھی شامل ہے۔ چار مجلدات جس کی ہر جلد میں نوسو صفحے سے زیادہ ہیں جس میں ۵۰۷ منتر مندرج ہیں شایع ہو چکی ہیں اور ایک بنگالی ترجمہ ابھی حال میں ختم ہوا ہے ڈاکٹر جان میور کے سنسکرت اقوال ہیں جن کی پانچ مجلدات ہیں بہت سے اقتباس و انتخاب ہیں جو مختلف سرخیوں میں منقسم ہیں یہ ایک نہایت قیمتی مجموعہ ہے۔ باقی وید یورپ یا ہندوستان میں شایع ہوئے ہیں۔

ویدوں کے نام اور اُن کی تقسیم

وید سنسکرت لفظ وُد سے نکلا ہے جس کے معنی الحکمت یا شریعت الٰہی ہیں یہ لفظ لاطینی وِڈا ور انگریزی وٹ سے بالکل ملتا ہے۔ ہندو حاملان شریعت اس لفظ کے عام مفہوم کو کبھی کبھی اپنے نہایت قدیم اور مقدس علم ادب کی طرف منسوب کرتے ہیں لیکن اس سے صحیح طور پر دعاؤں کے وہ چار مجموعے مراد ہیں جو علی الترتیب رگ وید۔ یجر وید۔ سام وید اور اتھر وید کے ناموں سے مشہور اور ان تمام علوم و فنون کو حاوی ہیں۔ جو ہندو دنیا میں سب سے افضل اور قابل تلقین و تعلیم خیال کئے جاتے ہیں۔

ویدوں میں علی العموم موسیقیانہ نظم ہے اس میں وہ زمزمے یا گیت ہیں جن میں ہندوؤں کے قدیم دینی بزرگوں نے اُس وقت جب ہند میں ایک علیحدہ قوم کی صورت میں اُن کی ابتدا ہوئی یا یوں کہیئے کہ ابھی اُنہوں نے اس عظیم ملک کے دروازہ ہی پر قدم رکھا تھا جس کو اُنہوں نے بعد میں اپنی شائستگی تہذیب اور علوم وفنون سے مالا مال کر دیا اپنے آسمانی دیوتاؤں کی تحمید اور تمجید کی ہے اور اُن کے اختیارات واقتدارات بیان کئے ہیں۔ اور وہ راگ گائے ہیں جن سے اُن کی شاعرانہ حرارت اور شوق کو اشتعال پیدا ہوا ہے ویدوں کی زبان نہایت قدیم ہے اور اُن کی تقسیم یہ ہے۔

دعاؤں کا نام منتر یا سوکت ہے اور ان ہی منتروں سے سنگھتا (سنتھا) یعنی مجموعہ کی تدوین ہوئی ہے۔ اُن کی ترتیب دو طریق پر ہے ایک میں تو آٹھ کھنڈ یعنی حصے یا اشٹک ہیں اور ہر کھنڈ میں آٹھ آٹھ ادھیا یا لیکچر ہیں دوسرے میں سوکتوں کی تقسیم منڈلوں پر ہوتی ہے جو شمار میں دس ہیں اور پھر یہ سو سے زائد انواک یعنی تتموں پر منقسم ہیں سوکتوں کی ایک اور تقسیم ہے جو ورگوں یا جملوں میں ہے اور یہ مذکورہ بالا دونوں تقسیموں میں عام وتام ہے۔

رگ وید۔ اس نام سے وہ وید مراد ہے جس میں دیوتاؤں کے ستائشی منتر یعنی محامد ومناقب ہیں۔ رچ کا لفظ جو وید کے قبل ہے رگ کے ساتھ تبدیل ہو گیا ہے جو سنسکرت میں ایک ایسے مخرج سے نکلا ہے جس کے معنی حمد اور ستائش ہیں جب رچ کا لفظ علیحدہ آتا ہے تو اس کا تلفظ رگ ہو جاتا ہے۔ رگ وید میں دس منڈل (منڈلا) یا مقالے ہیں۔ اس کا ہر فقرہ ہر لفظ ہر حرف اوائل ہی میں شمار کر لیا گیا ہے چنانچہ اشکولوں کی تعداد ۱۰۴۰۲ سے ۱۰۶۲۲ تک ہے اور ہر لفظ ۱۵۳۸۲۶ ہیں اور حروف یا ارکان تہجی ۴۳۲۰۰۰ ہیں اس وید کے دس منڈل بجائے خود ایک ایک مجموعہ ہیں اور ان میں ہر مقالہ ہندوستان کے کسی نہ کسی خانوادے سے متعلق ہے اُن کے سات مقالے ترتیب اور تہذیب میں باہم مشابہ ہیں اُن میں سب سے پہلے اگنی کے منتر ہیں اور یہ منتر باستثنائے دسویں منڈل کے بلا تغیر اُن منتروں کے ذیل میں آئے ہیں جن میں اندر کو مخاطب کیا گیا ہے۔ ان منتروں کے بعد پھر بسو دیو کے منتر آئے ہیں جو خدا کی اُن آٹھ صفتوں میں ہیں جن سے گن یعنی اجتماع نفوس قدسیہ مراد ہے آٹھویں منڈل میں ۹۲ منتر ہیں اور نویں میں ۱۱۴ جن میں سوم کو مخاطب کیا گیا ہے۔

رگ وید میں نہایت قدیم زمزمے ہیں جن کو آریا اپنے ساتھ لائے تھے اور ویدوں میں کچھ تو اسی رگ وید کا اقتباس وانتخاب ہے اور کچھ جگ کے قواعد اور منتر ہیں اس کے اشکولوں کو خصوصیت کے ساتھ جو برہمن پڑھتے تھے اُن کا لقب ہوتری ہوتا تھا۔

یجر وید یجر کا لفظ یج سے مشتق ہے جس کے معنی ہوم جگ ہے اُن میں وہ مسائل وقواعد ہیں جن کو وہ علمائے دین یا اُن کے پیرو پڑھتے تھے جن کا کام یہ تھا کہ جگ کے سامان اور لوازم جمع کریں قربان گاہیں بنائیں اور قربانی کے جانوروں کو ذبح کریں اور سوم لتا کا عرق چڑھائیں۔ اصل میں یجر وید کے دو حصے ہیں جن کا نام علی الترتیب سفید اور سیاہ اور چنبٹی یا تیتر یا سنگھتا ہے اور یہ اسود اور ابیض یجر اپنی خاص ترتیب کے سبب سے متمیز ہوئے ہیں حصہ اول میں

جگ کے قاعدے ہیں اور اس میں اُن کی توضیح و تشریح مندرج ہے۔ لیکن دوسرے حصہ میں اُن کا طریقۂ عمل بیان کیا گیا ہے اور وہ دونوں بالکل ایک دوسرے سے جدا ہیں یجرُوید کا ایک بہت بڑا حصہ رگ وید سے مستنبط او ماخوذ ہوا ہی لیکن اس کے چھند اور مقالے بالکل نئے ہیں اور چوں کہ یہ پرستش اور عبادت کا ایک دستور العمل ہے اسلئے علمائے دین پر اس کا مطالعہ فرض تھا جو پنڈت اس وید کو پڑھتے تھے وہ ادھواریو یعنی نیاز و نذر کرنے والے کہلائے جاتے تھے۔ یہ دونوں حصّے ہندوستان اور یورپ میں چھپ گئے ہیں۔

سام وید۔ یہ وید تمام و کمال منظوم ہی۔ اس میں ۱۵۴۹ چھند ہیں جن میں فقط ۷۸ کا سُراغ رگ وید میں نہیں ملا۔ ان کے چھند اُن جگوں میں گائے جانے کے لیے جن میں سوم لتا منشی عرق ایک جزو اعظم ہوتا تھا منتخب اور مرتب ہوئے تھے۔ اس میں سوم لتا کی بہت سی دعائیں ہیں باقی کچھ پُرانی اور کچھ اندر کی ہیں اس میں خاص خاص گیت کے رسالے ہیں جن سے اُن کے سُروں کی کیفیت معلوم ہوتی ہی سام وید کے پڑھنے والوں کا نام اوگاتری یعنی مغنّی تھا۔ یہ وید طبع ہو گیا ہی اور اس کا ایک انگریزی ترجمہ بھی ہی۔

اتھرب وید۔ یہ وید سب ویدوں کے بعد کا ہی۔ اس مجموعہ کا چھٹا حصہ نثر ہی اس میں تقریباً ایک سدس ایسے منتر ہیں جو رگ وید میں پائے جاتے ہیں منتروں کی تعداد تقریباً ۶۰۰۰ اور چھندوں کی ۶۰۰۰ ہی

برہمن (برہمنا)

برہمن یا برہمنا وید کے وہ حصّے ہیں جن میں برہمنوں کے لئے منتروں کے استعمال کی ہدایتیں ہیں اُن میں ویدوں کے مسائل کی جن کا شعائر اور رسوم دین سے تعلق ہی تشریح و توضیح ہی اور اُن کی اصلیت اور معنی بیان کئے گئے ہیں اور یہ بھی ہدایت کیگئی ہی کہ کونسے چھند یا دعائیں کس موقع کیلئے منضبط یا مختص ہیں۔

اگرچہ اُن کا مقصود اعمال جگ کی تعلیم و تلقین ہی لیکن اس میں رسوم اور دستورات مذہبی کی نسبت فلسفہ اور تصوف اور اسرار توحید و خدا شناسی کے خیالات زیادہ بھرے ہوئے ہیں۔

ہر سنگھتا (مجموعہ) کے ساتھ اُس کا برہمن ہے اور یہ اُس وید کے اصولی مسائل کے جس سے وہ متعلق ہیں تائید و تشریح کرتے ہیں چنانچہ رگ کے برہمن میں علی الخصوص ہوتری کے فرائض ہیں اور یجر کے برہمن میں ہوم جگ کی ہدایتیں اور احکام ہیں سام کا برہمن اور گاتریوں کو گانے کا طریقہ بتاتا ہی۔ رگ وید کا ایتریا برہمن نہایت قدیم ہے اس میں اور برہمن بھی ہے جس کا نام کوشتیکی ہے سیاہ یجر وید کا برہمن تیتریا ہے اور سفید کا ستھ پتھ ہی جو عام برہمنوں میں نہایت اکمل اور ضروری ہے۔ سام وید میں آٹھ برہمن ہیں جس میں ایک نہایت مشہور و معروف ٹانڈیا ہے اتھرب میں صرف ایک برہمن ہے جس کا نام گوپتھ ہے۔ ان برہمنوں سے ہندوستان کی قدیم دماغی اور تمدنی ترقی معلوم ہوتی ہے اُنکی سنسکرت اور اُن کا طرز بیان بھی نہایت صحیح اور پاکیزہ ہی۔

ارنیک اُپ نشد

ارنیک کے معنی صحرا یا متعلق بہ صحرا ہیں۔ یہ ارنیک برہمنوں میں شامل ہیں اُن کا وہ برہمن مطالعہ کرتے تھے جو تارک دنیا

ہو کے جنگل و بیابانوں میں توطن اختیار کر لیتے تھے اس میں تصوف روحانیت اور مسئلہ وحدت وجود کی تشریح اور بحث ہے

انکی تعداد چار ہے (۱) برید (۲) تیرتا (۳) تیرتا (۴) کوشیتکی۔

ارنیک آپ نشدوں میں شامل ہیں اور انکے نام کبھی کبھی تبدیل بھی ہو جاتے ہیں چنانچہ برہد بلا تخصیص برہیا یا برہد

ارنیک آپ نشد کہا جاتا ہے سیہ شت پتھ برہمن میں ملحق ہے اتیریا آب اتیریا برہمن کا ایک جزو ہے۔

سوتر

سوتر کے معنی رشتہ ہیں اور اس خاص طرز میں جو کچھ تالیف یا قلمبند ہوا ہے اس کے جملے نہایت مختصر اور مسلسل ہیں جو پر معنی اور متین ہونے کے علاوہ باہم مربوط بھی ہیں اس طرز بیان کی علت غائی محض ایجاز و اجمال ہے۔ سوتر عموماً ان حصوں سے مراد ہے جن کا تعلق ویدوں سے ہے چنانچہ کلپ سوتر میں آئین و رسوم مذہبی ہیں اور گریہ سوتر میں خانہ داری کے فرائض اور سماچار کا سوتر میں رسم و رواج کا ذکر ہے۔

ویدوں کی اصلیت

علے العموم ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ وید ازلی اور ابدی ہیں وہ تخلیق عالم سے پہلے خدائے تعالیٰ کی ضمیر میں پنہاں تھے۔ ہر کلپ یعنی دنیا کی پیدائش کے شروع میں خدا برہما پر انہیں منکشف یا نازل کرتا ہے اور وہ ان الہامات کو اپنے چار منہ سے بیان فرماتے ہیں اور مہرشیوں کو ان کی تعلیم و تلقین کرتے ہیں ہندوؤں کی سماوی کتب میں ویدوں کے ازلی اور ابدی ہونے کی نسبت اقوال ذیل سے استشہاد کیا گیا ہے۔

(۱) وید انفاس آلہی ہیں۔

(۲) وید انسان کی روحانی قربانی سے نکلے ہیں۔

(۳) وید اسکمبھ (اصول قائمہ) سے تراشے گئے ہیں۔

(۴) اندر سے ویدوں کا ظہور ہوا ہے اور ویدوں سے اندر پیدا ہوئے ہیں۔

(۵) وید کال یعنی زمانہ سے نمودار ہوئے ہیں۔

(۶) وید جگ کے آتش سے نکلے ہیں۔

(۷) وید اگنی یعنی آتش وایو یعنی ہوا اور سوریہ یعنی آفتاب سے پیدا ہوئے ہیں۔

(۸) ویدوں کو دیوتاؤں نے قعر دریا سے نکالا ہے۔

(۹) واچ یعنی کلمہ ویدوں کی ماں ہے۔

(۱۰) وید برہما کے منہ سے نکلے ہیں۔

(۱۱) وید گایتری سے پیدا ہوئے ہیں۔

(۱۲) وید ہی وشنو (بشن) ہیں

وید اپنے نزول سے کئی صدی تک قلمبند نہیں ہوئے صرف لوگوں کے سینوں میں محفوظ تھے استاد ایک

حصہ پڑھتا تھا اور شاگرد اُس کو دوھرا لیتے تھے۔ صدہا برس تک یہ آسمانی کتابیں صرف ازبر تلاوت کی جاتی تھیں۔ کوئی ایک وید یاد کر لیتا تھا اور کوئی دو چنانچہ تمام ویدی منتر نسلاً بعد نسلاً زبانی ہی محفوظ چلے آتے ہیں۔

کسی زمانہ میں آریا قوم کے بزرگ وسط ایشیا کے بالائی حصوں میں سکونت پذیر تھے جو ہندوستان سے کہیں زیادہ سرد ملک تھا کیوں کہ یہ لوگ اپنے برسوں کا شمار جاڑے سے کرتے تھے ویدوں کی دعاؤں میں جہاں اُن لوگوں نے درازی عمر کی خواہش ظاہر کی ہے وہاں سو جاڑوں (ہسم) کا مذکور ہے۔ یہ لوگ شمالی اقوام کی طرح آشومیدھ یعنی گھوڑوں کی قربانی پر زیادہ زور دیتے تھے اور اپنی ہمسایہ قوموں کے مقابلہ میں سُرخ و سفید اور گورے چٹے ہوتے تھے۔ جب آریوں کی نسل اس قدر بڑھی کہ اُن کا مالوفہ وطن گزران کے قابل نہ رہا تو اُنہوں نے جوق جوق جلاوطنی اختیار کی کچھ لوگ مغرب کی طرف گئے اور یورپی ممالک کو بسایا اور کچھ مشرق کو وادیئے سندھ کی طرف سے آئے اُن کا بڑا گروہ اہل و عیال غلام اور مویشی لیکے آگے بڑھا غالباً یہ لوگ سب سے پہلے کوہی دروں میں ہو کے پشاور میں داخل ہوئے۔

اس وقت ہندوستان کا ایک بڑا حصہ جنگل ہی جنگل تھا جس میں اصلی اقوام کے گاؤں اور قصبے آباد تھے ان لوگوں کی رنگتیں کالی تھیں اور اجنبی زبان بولتے تھے۔ آریوں کو اپنی قومیت کا بڑا ناز اور غرّہ تھا یہ اُن قوموں کو جن سے اُن کا سابقہ پڑا تھا بہت ہی حقارت اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے چنانچہ یہ لوگ اُنہیں کالا یا سیاہ فام کہتے تھے اور چونکہ آریوں کی طرح اُن کی ناکیں لمبی نہ تھیں اس لئے اُن کو بکرے نکٹے کا لقب ملا تھا۔ یہ لوگ اصلی باشندوں کو دسو بھی کہا کرتے تھے جس کے مجازی معنی مخالف یا منافق کے ہیں لیکن یہ لوگ اس کثرت سے غلام بنائے گئے کہ انجام کار عموماً داس کا لفظ خادم کے لئے استعمال ہونے لگا۔

یہ دسو قومیں ہو بہو ویسی ہی تھیں جیسے اب بھیل اور بعض صحرائی اور خانہ بدوش لوگ ہیں لیکن اور فرقے کسیقدر مہذب اور شائستہ بھی تھے۔ ویدمنتروں میں جابجا دسوں کی دولت اور ثروت کا ذکر ہے چنانچہ لکھا ہے کہ "ہم اندر کی مدد سے دسوں کو مغلوب کر کے اُن کی ساری دولت تقسیم کریں گے"۔ "اُن کے پاس قلعے اور شہر ہیں"۔ "اے اندر اور اگنی تم دونوں نے مِلکے دسوں کے نوّے قلعے توڑے ہیں"۔ "اے منوّر اندر تو نے اپنے جلال سے یو رو حکے لئے ننانوے شہر فتح کئے ہیں"۔

جو جو آریا بڑھتے گئے جنگلوں کھیتوں اور اصلی باشندوں کے گاؤں پر قبضہ کرتے گئے۔ اصلی باشندوں نے بھی حتےالوسع اپنے حملہ آوروں کا بڑی دلیری سے مقابلہ کیا چوں کہ اُن کا رنگ سیاہ اُن کی عادات وحشیانہ اور بات چیت نامہذب اور آواز بھاری اور مہیب تھی اور یہ لوگ شبخون مارنے کے عادی تھے اسلئے اُنہیں دیت یا عفریت کہا کرتے تھے۔

آریا نہایت قوی اور زبردست تھے اُنھوں نے دسوں کو مار کے نکال دیا اور بقیۃ السیف کو اپنا غلام بنا لیا اُس وقت ہندوستان میں آریوں اور دسوں قوموں کے مابین فاتح اور مفتوح یا آزاد و غلام یا گورے اور کالے کا لفظ ہیتاز

منتقل ہوا اور اویل میں جس فرقہ میں آریوں کی اطاعت قبول کی اسکا نام سودر رکھا گیا اور اخیر اس کا استعمال تمام مفتوح قوموں کے لئے ہونے لگا۔

یہ خونریزی اور حملہ آوری کئی صدی تک رہی لیکن یہاں کے تمام و کمال باشندے کسی زمانہ میں مفتوح و مغلوب نہیں ہوئے۔ آریہ رفتہ رفتہ مشرقی جانب پھیلے اور سرستی کے کنارے پہنچے جو ویدک ایام میں ملک کی سرحد تھی۔ ویدوں میں اس زمانہ کے تمدن کے جو حالات بیان کئے گئے ہیں ان کا اقتباس یہ ہے

گاؤں اور قصبے

یہ حملہ آور پہلے پنجاب میں آباد ہوئے اور ان مقامات پر گاؤں بسائے جہاں ندی نالے اور دریا تھے اور جو چرائی اور زراعت کے لئے موزوں سمجھے گئے تھے یہی چھوٹے چھوٹے گاؤں اخیر بڑھتے بڑھتے شہر اور قصبے ہو گئے اس وقت آریوں کے مکانات مٹی کے بنے تھے بعض مکان ایسے بودے اور ناپائیدار تھے جو ہوا کے جھکڑوں اور آندھیوں میں ہل جایا کرتے تھے مگر جہاں پہاڑوں کی قربت کی وجہ سے پتھر بکثرت ملتا تھا بعض اوقات سنگی محل بھی بنائے گئے تھے بیان ہوا ہے کہ اندر نے پتھر کے ایک سو شہر ڈھائے تھے۔ آہنی شہروں اور گڑھیوں کا بھی ذکر ہے۔ ایوان شاہی میں ہزاروں ستون اور ہزاروں ہی دروازے ہوتے تھے۔

راجہ اور سردار

آریوں نے جن ملکوں یا علاقوں پر تسلط کیا تھا ان میں مختلف قومیں آباد تھیں اور وہ بہت سی راجدھانیوں یعنی والئے ریاستوں میں منقسم تھے۔ رگ وید میں بہت سے راجاؤں کے نام مندرج ہیں ان کی دستانہ اور مخاصمانہ مجلسوں اور جلسوں کا بھی ذکر ہے۔ راجہ یا سردار کسی بڑے مہاراجہ یا شہنشاہ کے باج گزار نہ تھے اسلئے کبھی کبھی آپس میں لڑتے بھی تھے۔ سپورنی یعنی امرائے شہر اور گرامنی یعنی مقدمان دیہہ بھی ہوتے تھے۔

قرابت

ویدک زمانہ میں کثیر الازدواجی ہی نہیں بلکہ ایک عورت کو بھی ایک ہی حالت میں کئی کئی شوہروں کے کرنے کی اجازت تھی۔ چار سگے بھائی ایک ہی بی بی پر بس کرتے تھے پہلی اولاد بڑے بھائی کی کہلاتی تھی اور دوسری اس سے چھوٹے کی اسی طرح اخیر تک یہ رسم اب بھی جاری ہے اور پہاڑی قومیں اس پر کاربند ہوتی ہیں کہتے ہیں رگ وید میں متعہ بھی جائز تھا۔ اور بیوہ کا نکاح ثانی بھی۔

لباس

عورتیں کپڑوں اور گہنے پاتے سے خوب زرق برق سا کرتی تھیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں تزئین کا بہت خیال تھا سوتی اور اونی کپڑے استعمال کئے جاتے تھے ویدوں میں جا بجا پگڑی کا ذکر ہے اور سینے پرونے کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرکب کپڑے غیر مشہور نہ تھے۔

غذا

کھانے میں دودھ اور گھی لازمی اور ضروری غذا تھی پنہاہوا غلہ جس میں دودھ ہی ڈالا جاتا تھا جو اور گیہوں میں کے روٹیاں پکائی جاتی تھیں گوشت نہایت لطیف اور اعلیٰ درجہ کی غذا تھی۔ (شت تپھ برہمن میں لکھا ہی)

اندیوہاوائے پر آمم اناد یم بن ماسم

وید منتروں میں منشی عرقیات کا ذکر ہے۔ رگ وید کا قریبًا ایک اشتل یعنی مقالہ سوم لتا کے عرق کی توصیف کی نذر ہوا ہے سوم ایک قسم کی بیل ہے جس کا چھوٹا اور سفید پھول نہایت خوشبو دار ہوتا ہے اس بیل سے شیر دار عرق نکلتا ہے جو خمیر دینے کی حالت میں منشی اور کیف ہو جاتا ہے۔ جن منتروں میں سوم کو مخاطب بنایا گیا ہے وہ اس وقت گائے یا پڑھے جاتے تھے جب اس کا عرق نچوڑا اور چھانا جاتا تھا جس طرح یہ بیل حاصل کی جاتی تھی اس کی نسبت مختلف بیانات ہیں بعض اقوال سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کو پہاڑوں سے لاتے تھے چنانچہ بڑے فخر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ شاہ سوم کا مسکن قند ہار ہے۔ سرا یعنی شراب بھی لنڈھائی جاتی تھی اور سوم لتا کا عرق تو دیوتاؤں کو نہایت ہی مرغوب و محبوب تھا شراب عام طور پر دکانوں میں بھی بکتی تھی رگ وید سنگتا میں ایک منتر ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شراب مشکیزوں میں رکھی جاتی تھی اور سر بازار علم کھلا بکتی تھی یہ سرا چانول کی بنائی جاتی تھی رامائن میں لکھا ہے کہ بشسٹ جی نے بسوامتر کی سرا سے تواضع کی تھی مہابھارت میں لکھا ہے کہ یادو بہت شراب پیتے تھے ہر چند بودھ مذہب نے شراب اور گوشت کا قطعی امتناع کیا ہے لیکن کسی زمانہ میں اس کا تمام و کمال انسداد نہیں ہوا

سوسائٹی کے درجے

وید کے زمانہ میں بڑی دو تفریقیں تھیں ایک آریا اور دوسرے قدیم باشندے جو بعد ازاں سودر کے نام سے مشہور ہوئے آریوں کا اعلیٰ اور شریف پیشہ لڑنا اور کھیتی باڑی کرنا تھا جو آمیہ لڑائی پر جاتے تھے انہوں نے رفتہ رفتہ اقتدار اور اعتبار حاصل کیا اور ان کے سرغنہ راجہ بن گئے مگر جو لوگ لڑائی میں شریک نہیں ہوئے اُن کا نام دیس ویسیا یعنی خانہ دار ہو گیا۔

پہلے ہر شخص کسی رسم یا جگ کے وقت مقتدا نہیں بن سکتا تھا ویدوں میں اکثر راجاؤں کا ذکر آیا ہی جنہوں نے خود مذہبی کاموں میں امامت کی ہے۔ راج رشیوں میں جن کو دینی اور دنیوی دونوں اقتدار حاصل تھے وسوامنتر سولہ گانو چھتری تھے۔ اوائل میں برہمن جگوں میں محض ایک مددگار ہوتے تھے جو بعد ازاں پروہت یعنی پیشوائے دین ہو گئے اور اس طرح وقار اور غلبہ حاصل کیا۔

کبھی کبھی جنگ اور زراعت متحد کر دی جاتی تھی۔ سشر کنٹی کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں بڑے بڑے رشی اور منی اور ان کے بیٹے اور پوتے کھیتی باڑی میں لگے رہتے تھے لیکن جب ضرورت ہوتی تھی تلوار لے کے گھوڑے پر سوار ہوتے تھے اور غنیم کے مقابلہ پر جا پڑتے تھے اس وقت تک برہمنوں کو تلوار پکڑنے کا کوئی خوف نہ تھا اور نہ چھتری ہی ہل چلانے میں کچھ شرم و حجاب کرتے تھے اخیر زمانہ تک قومی تفریق کے قاعدہ میں کوئی ترقی نہیں ہوئی۔

حرفت و تجارت

ڈاکٹر ولسن صاحب اپنی کتاب موسومہ "ہندوستان تین ہزار برس قبل" میں آریوں کی حسن معاشرت اور تمدن کا بیان اس طرح کرتے ہیں۔ ایام وید میں آریا اکثر مویشی پالتے تھے اُن میں ایک حد تک کاشتکار بھی تھے یہ لوگ گاؤں اور قصبوں میں متوطن تھے اُن کو کپڑے بننے کی ترکیب معلوم تھی یہ لوہے کا استعمال بھی جانتے تھے آلات حرب و ضرب میں تلوار تیر اور برچھی کا رواج تھا۔ پیالے گھڑے چمچے خانگی استعمال میں تھے۔ ان کے ہاں پیشہ ور حجام بھی تھے قیمتی دھاتوں کے سکوں کا چلن تھا۔ زیورات بھی پہنے جاتے تھے جنگی رتھوں کی کثرت تھی گاڑیوں میں گھوڑے جوتے جاتے تھے امیروں کے ہاں خواجہ سرا اور محل ہوتے اُن کو جہازوں اور کشتیوں کا بھی بنانا آتا تھا۔ سمندر اور بحری فنون کا بھی ذکر ہے جو غیر ممالک کے لئے وقوع میں آتے تھے۔ ویدوں میں بحر قلزم کے عبور کرنے کی ممانعت نہیں پائی جاتی غالباً یہ امتناع بعد کو جاری ہوا ہے۔

جنگ

رگ وید میں اکثر جنگوں کا بیان ہے جو گایوں یا گھوڑوں کے لئے لڑی گئی ہیں چنانچہ اندر سے یہ دعا مانگی گئی ہے "اے قادر اندر تو ہماری مدد کر ہم گایوں اور گھوڑوں کے لئے لڑنے جاتے ہیں" آریوں کے مختلف قبائل اپنے اپنے افسروں کے زیر کمان کوچ کرتے تھے ہر قبیلہ کا نشان علیحدہ ہوتا تھا۔ یہ لوگ اپنے آبا و اجداد کی بہادری کے رجز پڑھتے تھے اور اندر و برہستی کے محامد و مناقب گاتے اور ناقوس بجاتے تھے رئیس لشکر جنگی رتھوں پر سوار ہوتے تھے بعض لوگ تیر و کمان کا استعمال کرتے تھے اور باقی نیزوں کا۔ فوج میں پیدل اور سوار دونوں ہوتے تھے اکثر اوقات سالار فوج کسی قصبہ پر حملہ کرتا تھا اور اُس کے باشندوں کو تہ تیغ کر کے متصرف ہو جاتا تھا اور کبھی کبھی صرف مال غنیمت ہی پر قانع ہو جاتے تھے چنانچہ اکثر آریا سرداروں نے داس اور دسو قوموں سے جنگ کی اور اُن کو مغلوب کیا ہے۔

جنگ کا امتناع

وید کے زمانہ کے بعد ہندوؤں کے مذہبی معتقدات میں بہت کچھ انقلاب ہوا ہے اور ان کے اعمال و افعال میں بھی تغیر آیا ہے کہا جاتا ہے کہ ان ساری تبدیلیوں کا باعث گوتم بودھ کا اصلاحی مذہب ہے جو دو ہزار چار سو برس قبل مسیح جاری ہوا تھا اس اصلاح کو راجہ اشوک نے بڑی تقویت دی جس کی سلطنت بنگال سے ہندوستان تک پھیلی ہوئی تھی گوتم کا پہلا حکم یہ تھا "کسی کی جان نہ مارو" یہ حکم ہر جاندار کے لئے تھا بودھ مذہب کے ہر سالک کو نباتات کے بھی توڑنے کی ممانعت تھی حیوان کے نزدیک ذی روح خیالات کئے جاتے تھے بودھ قربانی کے خلاف یہ حجت پیش کرتے تھے "وید میں مذکور ہوا ہے کہ جس جانور کی قربانی کی جاتی ہے وہ سیدھا بیکنٹھ پہنچتا ہے پس انسان کو چاہئے کہ اپنے باپ دادا کو بھینٹ چڑھائے تاکہ اُس کو بہشت ملے" گوتم بودھ کا دوسرا حکم یہ تھا کہ کوئی نشی چیز نہ چھوئی جائے۔ بودھ کے دیگر مسائل بہت زور سے ہندوؤں میں جاری و ساری ہو گئے تھے چنانچہ اب تک ان تبدیلیوں کا بعض مذہبی کتب کے

سراغ ملتا ہے۔

ان تمام اقتباسات پر جو ہم نے ویدوں کے کئے ہیں منصفانہ اور عاقلانہ نظر کرنے سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ آریوں کے علم ادب کے یہ اعلےٰ نمونے ہیں۔ اور ان کے مختلف مصنف ہیں اور ان کے زمانہ تصنیف میں بھی بہت بڑا فرق ہے۔ ایک وید کا خلاصہ دوسرے وید میں ہونے سے صاف پایا جاتا ہے کہ مصنف بالکل الگ الگ ہیں اور ایک کو دوسرے سے کچھ سروکار نہیں ہے۔ وید فی الحقیقت خاکا ہیں اس زمانہ کی معاشرت کا اور نقشہ ہیں ابتدائی زمانہ کے عقائد کا کہ اول ہی اول انسان نے فطرت کی خارجی اشیا کو کس طرح معبود بنا لیا تھا۔ ویدوں میں اگرچہ کہیں توحید کی جھلکی ضرور پائی جاتی ہے لیکن یہ جھلکی کچھ ایسی مبہم ہے کہ صاف عیاں نہیں دکھائی دیتی۔ ویدوں کے مصنفین نے یہ ضرور خیال کیا ہے کہ ہزاروں معبودوں کے پیچھے ایک ذات واحد اور بھی ہے جو ان سب پر حکمران ہے مگر اس کی حقیقت تک ان کا دماغ نہیں پہنچا اور انہوں نے اسے نہ صرف معطل خیال کیا بلکہ لاشے محض ہی سمجھا۔ اس کے اختیارات سلب ہی نہیں کر لئے۔ اس کو کابل فنا بھی مانا۔ ویدوں کے مصنفین کے ایسے خیالات کچھ تعجب انگیز اور قابل اعتراض نہیں ہیں کیوں کہ ابتدا میں آج تک کسی خاص امر کی آغاز ہی میں تکمیل نہیں ہو گئی ہے۔ خواہ معرفت الٰہیہ سے تعلق ہو یا دنیاوی علوم و فنون سے ہر چیز نے بتدریج ترقی کی ہے اور اگر ہم یہ بھی تسلیم کر لیں کہ وید الہامی ہیں تو بھی یہ بات باقی رہتی ہے کہ خداوند تعالےٰ نے روحانی تعلیم اپنے اسی قانون قدرت کے مطابق دی جو وہ روز ازل سے مقرر کر چکا ہے۔ اور جس حصہ قانون قدرت کا ہمیں بخوبی علم ہے جس طرح بچہ بتدریج بڑھتا ہے اور اسے ابتدائی غذائیں دی جاتی ہیں اسی طرح خداوند تعالیٰ کی طرف سے روحانی تعلیم ملتی ہے۔ انبیا علیہم السلام کے صحائف موجود ہیں جوں جوں زمانہ گزرتا گیا ان میں اصلاح ہوتی گئی۔ اور اخیر قرآن مجید نے انسانی روحانی فضائل کی تکمیل کر دی۔ وید مجموعہ ہیں ہندوؤں کی سادہ معاشرت کے جن میں یہ بیان ہوا ہے کہ منشی عرق کی یوں کشید ہوتی تھی اور دودھ کا دلیا یوں پکایا جاتا تھا اور جگ اس صورت سے ہوتا تھا اور گایوں اور گھوڑوں کے لئے یوں خونریزی ہوتی تھی اور ذاتوں کی یہ تقسیم تھی۔ آگ پانی اور آفتاب سے یہ دعائیں کی جاتی تھیں جب تک انسان ان سادہ احکام کے موزون رہا ویدوں کے مضامین کی اشاعت ہوتی رہی مگر جوں جوں زمانہ گزرتا گیا اشاعت میں کمی ہوتی گئی اور اخیر ان کی اشاعت بالکل بند ہو کے خیالی رہ گئی۔ شہزادہ گوتما نے ویدوں کے اصول کو اور بھی صدمہ پہنچایا اور تمام مسلمہ اصول کو غلط اور ناکارہ بتایا۔

گوتما کی ذاتی تاریخ پر اب تک ایک تاریکی چھائی ہوئی ہے اور جو کچھ اس کی زندگی کے واقعات بیان کئے جاتے ہیں وہ وحشی فسانوں پر زیادہ مبنی ہیں۔ یہ معلوم ہی نہیں کہ وہ کب پیدا ہوا کہتے ہیں حضرت مسیح علیہ السلام سے ۶۲۰ سال قبل پیدا ہوا اور حضرت مسیح سے ۵۰۰ سال قبل اس نے وفات پائی۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس کی حیات و ممات کے اس مشتبہ زمانہ میں اس نے بڑے بڑے نمایاں کام کئے۔ بودھوں کا اس وقت یہ عقیدہ ہے کہ گوتما ایک عظیم معبود تھا اور صرف خدا کی مخلوق میں امن کی اشاعت کی غرض سے اس دنیا میں بھیجا گیا تھا۔ بڑی بڑی روایتیں اس کی پیدائش اور چال چلن کی نسبت مختلف ممالک میں جاری ہیں اور ہر ملک میں نئے انداز سے بیان کی جاتی ہیں مسٹر ایڈمن اپنی

نے اپنی کتاب لائٹ آف ایشیا (یعنی ایشیا کی روشنی) میں اُن روایتوں کا جو چین و جاپان کے مختلف ممالک میں مروج ہیں انگریزی میں ترجمہ کیا ہے تعجب ہے دیکھا جاتا ہے کہ گوتما کی زندگی کے واقعات حضرت مسیح علیہ السلام سے بہت ہی ملتے جلتے ہیں کہتے ہیں کہ گوتما کا باپ بڑا ہی عیاش تھا جب یہ جوان ہوا اس نے اس کے لئے اس قدر سامان عشرت جمع کیا جتنا کہ مشرقی ملک اور مشرقی آب و ہوا مہیا کر سکتی تھی اور اس کے باپ نے اسباب کی کوشش کی کہ گوتما سے زندگی کے مصائب کو پوشیدہ رکھا جائے مگر جب گوتما کے آگے اس کے ہموطنوں کی تکالیف کھل گئیں اور تمام انسانی مصائب کے چہرے سے پردہ اٹھ گیا تو اس پر بہت ہی اثر ہوا اس کا دل بیٹھ گیا اور وہ غم میں دوہرا ہو گیا اور ایسا ایک ہچکولا لگا کہ تمام عیش خیز سامان خاک ہو گیا جب اس نے دیکھا کہ حسن پر اخیر موت کا سایہ پڑ جاتا ہے بی بی اور بچوں کی محبت بھی اسے انسانی جانکندنیوں سے کم محسوس نہیں ہوتی۔ ان مہیب نظاروں نے اس کا دل اپنی مٹھی میں دبوچ لیا اور آخر اس نے تمام عیش و عشرت پر لات مار کے عزلت گزینی اختیار کی جس طرح کہ حضرت مسیح کے پندرہ برس کے حالات جب وہ اپنے باپ یوسف نجار کے ہاں کام کرتے تھے چھپے ہوئے ہیں اسی طرح گوتما کی گوشہ نشینی کے حالات پر پردہ پڑا ہے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ گوشہ میں بیٹھ کے اس نے ضرور دنیا میں امن کی اشاعت کی تدبیر سوچی ہو گی اور بنی آدم کی فلاح کا سامان کیا ہو گا۔ اس کے تجربہ اور فکر نے اسے تعلیم دی کہ انسان کے لئے حقیقی راحت کیا ہے یعنی نروانا یا غفلت خیز آرام کیوں کر میسر ہو۔ اس دائمی راحت کے حاصل ہونے کے اس نے چار طریقے بتائے ہیں اور اس کا بیان ہے کہ ان چار رستوں سے منزل مقصود آ جاتی ہے۔

ہوتے ہوتے گوتما کو اپنی نبوت کا یقین ہوا کیوں کہ بودھ یا بودہا کے معنی نبی کے ہیں جب اسے پورا پورا یقین ہو گیا تو وہ تنہائی سے نکل کے لوگوں کے گروہ میں آیا اور انہیں تعلیم کرنی شروع کی۔ معلوم نہیں کہ نروانا کے کیا معنی ہیں بعض علما کا یہ بیان ہے کہ برہما کو گوتما نے نروانا سے تعبیر کیا ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ نہیں نروانا سے غرض خیر فانی حیات ہے۔ آخر الذکر خیال صحیح نہیں معلوم ہوتا کیوں کہ گوتما کے منشا اور مفہوم کے خلاف پڑتا ہے سابق الذکر رائے بہت صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اور اس رائے کے بیان کرنے والے بھی وہ علما ہیں جو نہایت مستند اور مسلم ہیں۔ ان میں ایک مسٹر ایڈون آرنلڈ ہیں جن کی تحقیق بالخصوص بودھ مذہب میں تمام انگلستان میں نہایت قدر سے دیکھی جاتی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ نروانا کی توضیح فلسفیانہ اصول پر مبنی نہیں ہے بلکہ خیالی باتوں کی آمیزش اس میں ستا پائی جاتی ہے۔

پروفیسر بلیکالی کا بیان ہے کہ نروانا فی الحقیقت ایک خیال ہے جس کی کوئی بھی عاقلانہ بنیاد نہیں ہے چنانچہ وہ بہت زور دے کے لکھتا ہے کہ ہماری دائمی زندگی فنا کے بیچ میں چھپی ہوتی ہے یہ گویا بودھ کے نروانا کا مفہوم ہے اس کے بعد پروفیسر موصوف نے بودھ کی اصولی کتابوں سے چند فقرے نقل کئے ہیں جن میں بسبب طول کے ان کا یہاں نقل کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ لیکن یہ بات دیکھنے کی ہے کہ ان کل فقروں میں ایک جگہ بھی نروانا کا لفظ نہیں ہے بودھ کا خیال ہے کہ چند خاص سیڑھیاں ہیں جہاں سے گذر کے روح نروانا میں پہنچ جاتی ہے یہ درمیانی منازل

فی الحقیقت خواہش کے اخیر مفہوم ہیں اور بس اسی بنیاد پر کل بودھ مذہب کی عمارت بنی ہے۔

جہاں تک غور کیا جاتا ہے یہ تحقیق ہوتا ہے کہ بودھ مذہب والے روح کو اس حیثیت سے نہیں مانتے جس حیثیت سے کہ اور مذاہب نے تسلیم کیا ہے کہ وہ انسانی حصص اور طاقتوں سے علیحدہ کوئی چیز ہے اور جو موت کے بعد بھی صاحب ادراک رہتی ہے۔ بودھ مذہب کی نروانا تو صرف ایک فنا کا نام ہے اور گویا اس مذہب میں انسان کے کامل فنا ہو جانے کو مکتی کہتے ہیں۔

گوتما نے اپنی عملی تعلیمات کے لحاظ سے ایک علیحدہ رستہ اپنے سابق کے پیشوایان مذہب ہنود سے اختیار کیا۔ اس میں شک نہیں کہ گوتما کی بہت سی ہدایتیں مثل انجیل کے زیادہ دلفریب ہیں مگر ان میں طبع انسانی کی فطرت کا بہت کم پاس و لحاظ کیا گیا ہے۔ خاص معاملات میں جب اُس کے اصول پر گہری نظر کی گئی تو معلوم ہوا کہ مسیحی مذہب سے ان میں بہت بڑا اختلاف ہے اس کا بہت بڑا منشا یہ ہے کہ دائمی لاشئے محض ہونے کا نام اصلی نجات ہے۔ گوتما کہتا ہے۔ اے آپ جاؤ کرو وہ کام کرو جو تمہاری خواہشوں کے خلاف ہو دوسروں کی خدمت ہمہ تن اطاعت ہو کے کرو مگر صلہ کی خواہش نہ رکھو پھر تمہیں انسانی معارف معلوم ہو جائیں گے۔ یہ اصول اگرچہ دیکھنے میں نہایت پیارا اور خوشنما ہے مگر انسانی فطرت سے بہت ہی متغائر آکے واقع ہوا ہے۔ کون شخص ہے جو اپنی محنت کا صلہ نہیں چاہتا اور کس کا دل چاہتا ہے کہ بے انتہا مجاہدوں اور مرقبوں کی شاقہ محنت کے بعد اُسے دائمی فنا کے سمندر میں غرق ہونا پڑے انسان تو انسان جانور بھی اپنی محنت کا صلہ چاہتا ہے اور معمولی تعریف کرنے یا اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے سے وہ اور زیادہ کام میں مستعدی دکھاتا ہے عیسوی اور بودھ مذہب کے اصول قریب قریب بہت سی باتوں میں مشابہ ہیں اور بظاہر ایسے لطیف اور پیارے معلوم ہوتے ہیں کہ بادی النظر میں یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس سے بہتر مذہب اور نہیں ہو سکتا مگر جب گہری نظر کر کے انسانی فطرت سے اُن کا تطابق کیا جاتا ہے تو اول درجہ کا تضاد پایا جاتا ہے چھوٹے چھوٹے بچوں کو دیکھا گیا ہے کہ جب وہ اپنا فرض پورا کر لیتے ہیں تو والدین یا اُستاد کی شاباش سننے کے امیدوار رہتے ہیں جب سے دنیا میں انسان کا کھوج ملتا ہے اور جب اس کائنات کے لب لباب یعنی انسان کی تاریخ مرتب ہوئی ہے۔ اپنے کاموں سے صلہ لینے کی خواہش اختلاف مرتبوم پر یکا ہر متنفس میں پائی گئی ہے اور کبھی کسی صدی میں کوئی قوم اس سے خالی نہیں ہوئی۔ کسی وجہ سے اپنی آرزو کا پورا کرنا یہ بھی گویا اپنی کوشش کا صلہ چاہتا ہے مثلاً ایک شخص کی یہ آرزو ہے کہ میں اپنے بھائیوں کی خدمت کروں اور اس خدمت کا کوئی صلہ نہ چاہوں گو یا صلہ نہ چاہنا اُسکی آرزو کو پورا کرےگا جب وہ آرزو پوری ہو گئی تو اُسے اپنی محنت کا کامل صلہ مل گیا۔

گوتما بت پرستی کا بہت ہی مخالف تھا اور اس نے اپنے مذہب میں کسی قسم کی پرستش جائز نہیں رکھی مگر لنکا اور چین کا موجودہ مذہب ہرگز وہ مذہب نہیں ہے جس کی بنا گوتما نے ڈالی تھی۔ اب اس میں باطلہ اوہام اور بت پرستی کی پوری آمیزش ہو گئی ہے اور ہونی ہی چاہئے تھی کیونکہ وہ مذہب کبھی دیرپا نہیں رہ سکتا جو انسانی

طبع کے خلاف ہو۔ عیسائی مذہب کی بھی اسیطرح شہرت ہی شہرت رہ گئی ہے اور کوئی نہیں بتا سکتا کہ خود حضرت مسیح کے کیا عقائد تھے اور اُن کی خالص تعلیم کیا تھی۔ ہنود ہندوستان میں جا کے دیکھو کو تا ئبت کی صورت میں تشریف رکھتے ہیں اور اُن کی پرستش کی جاتی ہے۔

یونان میں خدائے واحد کی پرستش کی منادی کرنے والا سب سے اول حکیم زنوفن ہوا ہے۔ اس کا پہلا منشا یہ تھا کہ ہومر اور ہیسیڈ نے لوگوں کے دلوں میں خیالی معبودوں کا جو نقش کر رکھا ہے اُسے چھیل ڈالوں وہ بیان کرتا ہے "آدمیوں اور دیوتاؤں میں صرف ایک ہی قوت والا خدا ہے۔ وہ نہ جسم رکھتا ہے نہ ضمیر انسان اپنے طور پر خیال کر سکتا ہے کہ دیوتا پیدا ہوئے ہیں ہمارا سا لباس پہنتے ہیں اور ہماری شکل و صورت رکھتے ہیں اگر اسیطرح بیلوں اور شیروں کے بھی ہاتھ ہوں اور وہ مثل انسان کے نقش و نگار کر سکیں تو وہ بھی دیوتاؤں کی سی صورت بنا سکتے ہیں اس کے مقابلہ میں گھوڑے گھوڑوں کی سی ہیئت اختیار کرتے ہیں اور بیل بیلوں کی سی۔

اس اصول میں زینوفن سے ایک چوک رہ گئی اور وہ یہ ہے کہ اُس نے یہ نہیں سمجھا کہ بہ نسبت جانوروں کے آدمی اپنے دیوتاؤں کا زیادہ ہمشکل ہوتا ہے اور اگر یہ بھی ہم فرض کریں کہ شیر اور بیل کے ہاتھ ہوں اور وہ نقش و نگار کرنا اور اپنے کو آراستہ کرنا جانتے ہوں پھر بھی اُنہیں آخر کسی نہ کسی کی اقتدا کرنی پڑے گی کیونکہ انسان بھی تو ہمشکل ہونے پر اقتدا ہی کرتا ہے۔ تو بھی یہ حکیم تعریف کے قابل ہے کیوں کہ بت پرستی کا بہت سخت مخالف ہے اور توحید کا مذہب رکھتا ہے اور خدائے قادر و مطلق کی ہستی پر اُس نے بہت کچھ دلائل دی ہیں مثل ارسطو کے وہ بھی اسباب کا قائل ہے کہ ضرور وحدہ لاشریک کوئی ذات ہے اگرچہ اُس کی ماہیت پہچاننے میں اس نے غلطی کی ہے۔ اُس نے اخیر میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ کل کائنات ایک ہی ذات سے وابستہ ہے اور یہی ایک ذات ہے جو قدیم بھی ہے اور غیر تبدیل کمال اس میں پایا جاتا ہے۔ پھر وہ لکھتا ہے کہ یہ عالم جو ہمیں دکھائی دیتا ہے محض بے اصل ہے اسکی کچھ بھی ہستی نہیں یہ سب کچھ ہمارے ضمیر کا پرتو ہے۔

حکیم زینو نے اس خیال پر اور بھی رنگ چڑھا دیا اور مثل ہندو فلسفیوں کے اس نے تو یہاں تک کہا کہ نہ محسوس دنیا کی کچھ ہستی ہے اور نہ اُس خیال کی کچھ ہستی ہے جو ہمارے دل میں موجود ہے جس ذات کی نسبت وہ بحث کرتا ہے اُس کی صفات ہندوؤں کے برہما سے ملتی ہیں اور جس غیر ذات کی نسبت اس نے استدلال کیا ہے اُس کے معنی مثل مایا یعنی خیال باطل کے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ ضرور ایک روح یا ادراک ہے جو مادہ کے اندر باہر کام کرتا ہے لیکن مادہ سے علیحدہ ہونے پر اُس کی زندگی قایم نہیں رہتی معہ انسان کے تمام چیزیں خدا کے حصے ہیں خاص ضرورتوں سے اس سے علیحدہ ہو گئے ہیں مگر پھر اُسی میں جا کے ملجائیں گے۔ اس لئے نہ کوئی خود مختار نہ زندگی ہے اور نہ کوئی آزاد مرضی ہے مثل گوتما بودھ کے اس نے تعلیم دی ہے کہ عاقل وہ شخص ہے جو تمام خوشیوں سے اپنے کو علیحدہ رکھے اور اپنے کو موت کی مصیبتوں او بلاؤں سے بچنے کے لئے ہر وقت آمادہ رکھے۔ اس حکیم نے خودکشی کی بھی بڑی زبردست تعریف کی ہے اور وہ بودھ سے زیادہ خوش قسمت ہے کہ خودکشی سے تناسخ کا خوف اُسے متعلق نہیں

رہتا ہے۔ گرم حمام میں بیٹھ کے کسی رگ کے مُنہ کھول دینے سے یا ایک زہر کا پیالہ پینے سے یا ایک انچ لوہے کی تیغ کے ٹکڑے سے تمام خواہشوں کی بآسانی تکمیل ہو سکتی ہے اور ایک دانا شخص گویا اس طرح جس لمحہ چاہے دائمی آرام حاصل کر سکتا ہے۔

عالم کو خدا ماننے کے موجودہ عقیدہ کا بانی اسپینوزا سمجھا گیا ہے اور اس نے اپنی کتابوں میں بہت کچھ برونو کی تصنیفات کی نقل کی ہے۔ آخر الذکر عالم سنہ ۱۶۰۰ء میں روتہ الکبریٰ کی شاہراہوں میں جلا دیا گیا تھا اور پادریوں نے اس پر کفر کا فتویٰ دیا تھا حکیم اسپینوزا کو بھی وہی غلطی ہوئی جو زنوفن کو ہوئی تھی۔ بجائے اس کے کہ وہ فطرت اور انسانی ضمیر کے نظام سے اپنی بحث شروع کرتا اور پھر اس سلسلہ سے توحید خدا تک پہنچتا پہلے ہی سے اس نے خدا کی بابت بحث شروع کر دی اور خدا کی تعریف بیان کرنے لگا۔ اس کا سب سے بڑا اصول یہ ہے کہ سوائے اس کے کسی چیز کی ہستی نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے جو چیز پیدا کی گئی ہو اس میں ذاتی زندگی نہیں ہو سکتی۔ کوئی شے پیدا ہی نہیں ہو سکتی خیال ایک باطل وہم کا نام ہے۔ جو چیز موجود ہے خدا کا حصہ ہے جو ایک بسیط ذات ہے اور اس میں لاانتہا صفات موجود ہیں۔ جتنی چیزیں ہم دیکھتے ہیں سب اس کی صفات ہیں اور اس کی ہستی کی شہادت دیتی ہیں اسلئے انسان میں کوئی خود مختارانہ زندگی نہیں ہے نہ اخلاق کوئی چیز ہے نہ صدق و کذب کوئی شے ہے یہ سب فی الحقیقت خدا کے مختلف کام ہیں۔ ذاتی ذمہ داری اور کائنات کے پیدا ہونے کی نسبت ہمارے کل خیالات محض لغو اور بے بنیاد ہیں۔ اس کے بعد ہیگل پیدا ہوا اور اس نے سابق الذکر حکیم کی کسی بات میں تردید اور کسی میں تائید کی مگر کوئی اصولی بات کہ جو طبع انسانی کے ماننے کے قابل ہو پیدا نہ کر سکا۔

اب دیکھنا چاہئے کہ مذہبی خیالات کی اس وسعت اور ترقی نے موجودہ یورپ پر کیا اثر ڈالا اور وہاں ان خیالات نے کیا رنگ اختیار کیا ہے۔ اہل جرمنی نے عالم کو خدا ماننے کے عقیدہ سے ایک نیا عقیدہ پیدا کیا اور وہ مذہب بودھ مذہب سے بالکل ملتا ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ بودھ کے مذہبی اصول کو انہوں نے یورپی زبان کا لباس پہنا دیا ہے۔ اس نئے مذہب کا جو برِ اعظم یورپ میں پھیلتا جاتا ہے آرتھر شوپن ہر بانی ہوا ہے اور اسے پیسی مزم کہتے ہیں۔ فاضل مذکور نے اپنے مذہبی اصول کو کسی قدر عاقلانہ بنیادوں پر قایم کیا ہے وہ کہتا ہے کہ تیقن تمام چیزوں کا اصل الاصول ہے اور یہی تمام کائنات میں ایک چیز ہے۔ مگر اس تیقن میں ادراک نہیں ہے لیکن یہ اپنی ہی فطرت سے ایک مدت میں ادراک پیدا کر لیتا ہے اور صرف زندگی تک اس میں یہ قوت باقی رہتی ہے جب تک ایک بار اور یہ بے ادراک نہیں ہو جاتا اسے کامل آسائش یا کامل امن حاصل نہیں آتا۔ یہ دنیا مجسم تضحیک ہے اور یہ اتنی بری ہے کہ اس سے زیادہ بری خیال میں نہیں آ سکتی کیوں کہ اس میں بغیر گناہ کے بھی تکلیفیں سہنی پڑتی ہیں۔ اگر اس دنیا میں تھوڑی سی برائی ہوتی پھر بھی یہ بہتر ہوتی کیوں کہ پھر انسان زیادہ زندہ رہنے کی خواہش نہ کرتا اور جب اس کی زندہ رہنے کی خواہش تمام ہو جاتی اس کی زندگی اسی کے ساتھ معاً ختم ہو جاتی۔ میں ہر زمانہ خودکشی کی سفارش کرتا ہوں اور دعوے کرتا ہوں کہ اس سے بہتر رستہ تیقن کو ادراک کی قوت سے

مضبوط بنائے گا اور نہیں ہے۔ بودھ نے خودکشی کو بُرا کہا ہے جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اس کا مقولہ ہے
کہ اپنی ہستی کو بھول جانا اور خودی کو نکال ڈالنا ہی خودکشی کرنا ہے مگر ہمارا جرمنی فلاسفر یونانی علما کی تقلید پر خود
کشی کو اعلےٰ درجہ کی راحت خیال کرتا ہے مگر تعجب ہے دیکھا جاتا ہے کہ اُس نے اپنی ذات کے لئے خودکشی روا نہیں
رکھی ہے۔ اس خیال کے لوگ روز بروز ہوتے جاتے ہیں اُن کا خیال ہے کہ بتدریج دنیا سخت زبون ترین حالت
کو پہنچے گی اور تمام انسانی نسل میں توالد و تناسل بالکل بند ہو جائے گا اور سب انسان سخت اور مہیب آفتوں سے بچنے
کے لئے خودکشی کریں گے۔ یہاں تک کہ کامل فنا یعنی نروانا حاصل ہو جائے گی ساتھ ہی ان لوگوں کا یہ بھی خیال
ہے کہ دنیا کے فنا ہونے پر قوت تیقن زندہ رہے گی اور پھر اس سے نئی دنیا پیدا ہونے کا سلسلہ شروع ہو گا۔
یہ صاف ظاہر ہے کہ اس غمناک مذہب اور عالم کو خدا ماننے والے مذہب میں کوئی بھی تعلق نہیں ہے۔
اور یہ دونوں مذاہب کے اصول محض شاعرانہ ہیں۔ واقعات سے کسی کو بھی کوئی سروکار نہیں۔ یہ خوب سمجھ لیا جائے
کہ جسے ہم مادّہ یا روح یا خدا کہتے ہیں اگر وہ ایسی ذات ہے کہ اُس میں اپنی مرضی سے حکمرانی کی قوت نہیں ہے اور نہ
وہ کوئی انتظامی قانون بنا سکتی ہے تو سمجھ لو کہ کسی اخلاقی ذمہ داری کا نام کائنات میں نہیں ہے۔ اگر ہم خدا ہی کے
اجزا ہیں تو پھر کسی امر میں وہ ہم میں گناہ نہیں پا سکتا نہ ہمیں اس کی ضرورت ہے کہ ہم کیا ہیں اور کیا ہونے والے
ہیں۔ ہماری ذاتی پسندیدگی اور ذاتی ارادہ کا ادراک کرنا محض ایک غلطی ہے۔ ہم اپنے ارادہ سے زندہ نہیں ہیں
ہم خدا کی رہنمائی پر چلتے ہیں۔ جب ایک شخص جو عالم کو خدا مانتا ہے کسی ذات کی عبادت کرتا ہے تو وہ یہ سمجھتا ہے
کہ میں ایک ایسی غیر ادراک ذات کی عبادت کر رہا ہوں جس کا میں ایک جزو ہوں۔ یہاں عابد و معبود کی گویا ایک
ہی حالت ہے پرستش کرنے والا اور وہ چیز جس کی پرستش کی گئی ہے ایک حالت رکھتی ہیں۔ اپنے قصور کا اعتراف
کرنا لغو ہے۔ توبہ ایک باطل خیال ہے۔ تقدیس ایک بے وقوفانہ کام ہے۔ یہ ساری ایسی بے بنیاد باتیں ہیں
جن کی لغویت عیاں ہے اور اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ جب قدیم فلسفیوں نے عبد اور معبود کے تعلقات
کے پہچاننے میں ایسی صریح غلطیاں کی ہیں تو کیوں کر خیال ہو سکتا ہے کہ خدا اور اُس کے رازوں کا اُنہیں خفیف
سا بھی علم ہو گا۔
نبوت اور نبی کے باریک راز اور پھر معجزوں کا اُن کی ذات کے ساتھ تعلق ہونے کو جانتا ایک مستبعد امر ہے
فی الحقیقت فلسفہ کی جد و جہد نے انسانی خیال کو بہت ہی وسعت دیدی اور تخیلات کے نئے نئے عالم بنا کے کھڑے
کر دیئے مگر فی الحقیقت حقیقت کو اُن سے کچھ بھی واسطہ نہ تھا اور معرفت کے خم پر اُس وقت تک مہر لگی رہی جب تک
کائنات کا برگزیدہ اور فطرت کا لب لباب نہ پیدا ہوا اور اس نے کائنات کے سر پہ قدم رکھ کے اس خم کو
اپنے ہاتھ سے نہ کھولا۔
جتنے حکما کے اقوال کہ اوپر نقل ہو چکے ہیں وہ اصل میں ایک سایہ ہیں انسانی ادنےٰ اور اعلےٰ مگر ابتدائی
خیالات کے خدا اور اس کی لازوال قوتوں کو اُن خیالات سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے کائنات کا انتظام ابتدا

سے جس کینڈے پر چل رہا ہے اُس کی کُنہ کو کسی کا دماغ نہیں پہنچا۔ ان حکما نے ظاہری اسباب پر طبع آزمائیاں
کی ہیں مگر گہرائی تک پہنچنے کا انہیں خیال ہی نہیں ہوا۔ پیدا ہوئے تعلیم پائی اور اپنے چند ہی خیال بنا لئے اور چل بسے
نہ تمدن میں ان سے کچھ اصلاح ہوئی اور نہ خدا کی مخلوق کے مصائب کو کھو سکے۔ افلاطون آلہی نے اپنے اُستاد سقراط
سے تناسخ میں بہت بڑا اختلاف کیا ہے او رخدا کی ہستی کی ایک حد تک شہادت دی ہے اسی طرح ارسطو نے کم و بیش
خدا کو مانا ہے اُسے سوائے فلسفیوں کے اور لوگ نہیں سمجھے ہیں۔ نہ انہیں علم الاقوام کی خبر تھی اور نہ علم ہیئت
پورے طور پر آتا تھا نہ وہ کائنات کے نظام کی باریکی کو پہچان سکتے۔ انہیں اس کا خیال ہی نہ پیدا ہوا کہ خدا کا
ہاتھ بھی ہر چیز میں کام کرتا ہے اور نہ صرف اس دنیا میں بلکہ ہزاروں عالموں میں بغیر اُسکی مرضی کے ذرہ بھی نہیں
ہلتا۔ دنیا میں ہزاروں قومیں اور لاکھوں خانداں ہوئے نشو و نما پائی پھلے پھولے ترقی کی اور برباد ہو گئے اور
اخیر ایسے صفحہ ہستی سے مٹے کہ کسی نے بھی نہیں جانا کہ وہ یہاں پیدا بھی ہوئے تھے یا نہیں۔ یہ کیا قوت ہی
جو نئے نئے رنگ بدل رہی ہے۔ اور یہ کیا انتظام ہے جو اس طرح چل رہا ہے یہی دنیا یہی سرزمین یہی ممالک پہلے
کیا تھے اور اب کیا ہو گئے اور کسے معلوم ہے کہ آئندہ کیا ہوں گے۔ مادہ اگر کل چیزوں کی جڑ ہے تو اس میں
یہ اور اک کیوں کر پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اپنی کس صنعت سے کائنات کے تماشہ گاہ پر نئے نئے روپ میں جلوہ
گر رہا ہے اور اس کے تماشوں کی جدت میں کبھی فرق نہیں آتا۔ مثلاً ایک بار بنی اسرائیلی تماشہ گاہ پر نمودار ہوئے
اور وہ وہ تماشے دکھلائے کہ عالم سکتہ میں رہ گیا اُن کی قومی ترقی ان کی حکومت کی وسعت اُن کی بلند خیالی انکے
شاہوں کے جاہ و جلال اُن کے سپاہیوں کی شجاعت اُن کے انبیا کی تعلیمیں جب یہ سب اپنا دورہ پورا کر چکیں
یکایک فنا کا پردہ پڑ گیا اور وہ سب آنکھوں کے آگے سے غائب ہو گئے۔ نہ بادشاہ رہے نہ سپاہی رہے نہ انبیا
رہے پھر نیا دانہ نیا پانی شروع ہوا اور دوسری قوم تماشہ گاہ پر نمودار ہوئی اس نے وہ زور پکڑا وہ زور پکڑا کہ تمام دنیا کو
ہلا دیا اور پھر وہ بھی اپنی عمر پوری کر کے چلتی بنی۔ روما الکبریٰ کی شوکت کا پتہ والوں کا اتفاق قوی اور دبدبہ یا دہے
اخیر وہ ترقی یافتہ قومیں کہاں گئیں اور ان کا کہاں کھوج ملے گا۔ کروڑوں مخلوق اور سب کے خیالات جدا جدا سب کی
صورتیں الگ سب کی ضرورتیں علیحدہ علیحدہ اخیر یہ کیوں ایک ہی مادہ ہے جو سب میں موجود ہے پھر یہ اختلاف عظیم
کیوں؟ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے اور کوئی بڑا زبردست ہاتھ ہے جو ان تغیرات میں اپنا کام کر رہا ہے
انسانی تاریخ کو بغور دیکھنے والا خدائے مطلق و واحد کا کھوج اچھی طرح لگا سکتا ہے بشرطیکہ بیدار دل اور روشن ضمیری
سے اس کا مطالعہ کرے۔ کیوں بڑے بڑے عقلا کے منصوبے بگڑ جاتے ہیں اور کیوں اولوالعزم ارادوں پر
خاک پڑ جاتی ہے۔ کیوں ہزارہا سال سے کائنات کا ایک ہی سلسلہ چلا آتا ہے اور کیوں نہیں اُس میں فرق پڑ جاتا۔
وجہ کیا کہ بڑے بڑے حکما تو ایڑیاں رگڑ کے مر جائیں اور ان کے معتقدوں کی تعداد انگلیوں پر ہو اور کیوں ایک
یتیم بے یار و مددگار بچہ عالم کا سرتاج بن جائے۔ یہ خاص راز ہیں جو ابھی تک نہیں کھلے ہیں اور یہ خاص باتیں
ہیں جو عقل کو چکر میں ڈالتی ہیں اور فہم کو پریشان کرتی ہیں۔ یونانی یا مصری یا ہندی حکما کی محض ابتدائی حالت

تھی اور اس حالت میں جو کچھ اُنہوں نے کیا ہے وہ بھی تعریف کے قابل ہے۔ کسی نے فطرت کی خارجی اشیا کی پرستش کی اور اُن ہی کو اپنا معبود بنایا کوئی اس سے بھی آگے گزر گیا اور اس نے کائنات کے خالق کا پتہ لگایا مگر پھر کیا ہے سب نیم پختہ خیالات اور محض ابتدائی حالت میں کسی حکیم نے تفصیل سے عبد او معبود کے تعلقات پر بحث نہیں کی اور کسی کا خیال یہاں تک نہیں پہنچا۔ خدا کی مخلوق کے بڑے حصے نے ان حکما سے کچھ بھی فائدہ نہیں اُٹھایا۔ مصائب میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں آئی اور اُن کے پیچیدہ فلسفیانہ مقولے امرا اور حکمرانوں کا ہاتھ ظلم نہیں روک سکے۔

افلاطون کے زمانہ میں ہر نو پیدا بچہ جو کمزور خیال کیا جاتا تھا فوراً ممتا بھری ماں کی گودی سے چھین کے دفن کر دیا جاتا تھا۔ افلاطون کی آنکھوں کے سامنے یہ ظالمانہ کارروائی ہوتی تھی اور وہ بے پروائی سے دیکھتا تھا مگر افسوس سے یہ سنا گیا ہے کہ اس نے ایسا کرنے کا خود فتویٰ دیدیا تھا۔ ارسطو کی حکمت سکندر اعظم کو مظالم اور وہ بھی مہیب مظالم سے کب باز رکھ سکی۔ زینوفن نے کیا کیا اور سولن نے کیا فائدہ پہنچایا اور سقراط نے بیلوں اور بکریوں کے کانوں میں باتیں کر کر کے خدا کی مخلوق کی کیا اصلاح کی۔ اب اُن کی حکمت کہاں ہے اور اُن کے معتقدوں کی تعداد کتنی ہے۔

خوب سمجھ لیا جائے کہ فطرت کے رازوں اور معرفت الٰہیہ کو فلسفہ اور منطق کی باریکیوں سے بیر ہے جتنی عقل آرائی کرو گے معاملہ اور بھی پیچیدہ ہوتا جائے گا۔ انسان بغیر خدا کی مدد کے کچھ نہیں کر سکتا اور اس کا کوئی فعل جب تک خدا کا ہاتھ اس میں شریک نہ ہو کبھی دیرپا نہیں رہ سکتا۔ یوں تو سب کے خیالات الگ الگ ہیں اور ہر شخص کو اختیار ہے کہ اپنی ذاتی رائے چاہے جو کچھ قایم کرے مگر انصاف سے یہ بھی دیکھنا ضرور ہے کہ کذب کی حکومت دیرپا نہیں ہوتی پر نہیں ہوتی ہزارہا حکیم ہوئے اور صدہا آدمیوں نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا اور وہ وہ جال پھیلائے جن کا حد و پایان نہیں پھر وہ کیوں کر مٹ گئے اور کیوں اُن کے نام و نشان دنیا کے صفحہ سے اُڑ گئے؟ اگر یہ کہیں کہ دنیا میں ابتدا سے جاہل زیادہ پیدا ہوئے ہیں اور اُن میں مافوق الفطرت باتوں کے قبول کرنے کا مادہ بہت ہے تو پھر سوال یہ پیدا ہوگا کہ کاذب نبیوں کے وقت میں بھی تو ایسی مخلوق موجود تھی اُن کی کیوں نہیں عالمگیر سلطنت ہوئی اور کیوں نہیں دنیا کے ایک بڑے حصہ نے اُنہیں تسلیم کیا؟ لامحالہ جواب یہی دیا جائیگا کہ اور بھی ایک قوت ہے جو بارنردارانہ کام کر رہی ہے اور وہ کبھی جھوٹے کو رستہ نہیں دیتی نہ اُسے دیرپا رکھتی ہے۔

علوم جدیدہ فتویٰ دے چکے ہیں کہ جس خاص معاملہ میں مختلف رائیں ہوں یا جس خاص بات میں ایک گروہ کا اختلاف ہو وہ مسئلہ ہی سرے سے لغو اور بے بنیاد ہے ہم اس فیصلہ کو مانتے ہیں اور بہت زور سے کہتے ہیں کہ یہ بالکل صحیح ہے۔ ہم نے جتنے حکما کے اقوال نقل کئے ہیں وہ خاص ایک مسئلہ میں بالکل مختلف ہیں اس لئے وہ مسئلہ ہی ہم غلط سمجھتے ہیں جس پر صدیوں سے بحثیں ہوتی چلی آتی ہیں برخلاف انبیا علیہم السلام کے کہ وہ سب ایک

مسئلہ پر متفق ہیں اور صدیوں پر صدیاں گزرنے کے بعد بھی کسی نبی نے اس پر اختلاف نہیں کیا حضرت آدم سے لے کے حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم تک سب نے ایک ہی خدا ہونے کی شہادت دی اور ایک نبی نے دوسرے نبی کی بہت زور سے تصدیق کی اسلئے یہ مسئلہ بالکل صحیح ہے اور اس کی صحت میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں۔ ابراہیم علیہ السلام ہوئے تو یہی کہتے آئے خدا ایک ہے اسی کی عبادت کرو داؤد علیہ السلام ہوئے تو یہی کہتے آئے یعقوب علیہ السلام نے کی تو یہی تلقین کی غرض کسی نے بھی خفیف سی تبدیلی نہیں کی۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اب بھی اس مسئلہ کی صداقت میں کچھ فرق رہا اور کون شبہ کر سکتا ہے کہ ذرہ برابر بھی فرق اس عقیدہ میں پایا جاتا ہے۔ یہ ہے صداقت اور یہ ہے راستبازی اور یہ ہے فطرت کا راز جس کی ہوا تک کسی فلسفی کو نہیں لگی اور کل حکما کا خاتمہ زندگی کے محض ابتدائی اصول پر ہوا۔

یہ اُس اہم اور عظیم مسئلہ نبوت اور معجزہ کی تمہید ہے جو ہم نے بیان کی ہے اور ہم آگے اسے اور بھی توضیح کے ساتھ بیان کریں گے تاکہ اس مسئلہ کا ہر پہلو ایک حد تک حل ہو جائے اور فطرت کا راز صاف طور پر معلوم ہو جائے اُس کے بعد ہم نبوت اور معجزہ کی حقیقت کو بیان کرینگے اور ہم خیال کرتے ہیں کہ ہماری یہ تحریر ناظر تفسیر کو بہت کچھ فائدہ پہنچائے گی۔ اور اسے اور کچھ نہیں تو اتنا تو ضرور فائدہ ہو جائیگا کہ وہ گزشتہ اور موجودہ زمانہ کے الحادی خیالات اور اُن حکما کی منتشر رایوں کا مطالعہ کر کے اُن کی اصلی حالت کو پہچان جائیگا اور خوبی سمجھ لیگا کہ صدق کی ہوا بھی ان خیالات کو نہیں لگی ہے۔ التجا ہے تو صرف یہ ہے کہ ہمارے اس مضمون کو بہت غور سے پڑھنا اور سمجھنا چاہیے کیونکہ یہ مشکل اور مضمونوں کے زیادہ سہل اور ممکن الفہم نہیں ہے۔

جو کچھ اوپر لکھا جا چکا اُس سے یہ ناممکن ہے کہ ہم فطرت میں کسی الہام یا وحی یا اُس طریقہ کا پتہ لگا سکیں جو خداوند تعالے اپنے خاص بندوں سے باتیں کرنے کا رکھتا ہے نہ یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اس دنیا کی پیدائش اور نظام کائنات میں خدائے تعالے کا کیا مقصود ہے اور اس کی علت غائی کیا ہے۔ اگر یہ سلسلہ صرف اس بنا پر ہے کہ اس کا رنگ یوں ہی بنتا بگڑتا رہا ہے اور کچھ اس سے سروکار نہ ہو تو فی الحقیقت یہ محض بے بنیاد ہے۔ اتنا عظیم سلسلہ جو خیال میں بھی نہ آسکے اور اُس کا یہ باقاعدہ انتظام ضرور کسی ایسے مقصد کو پورا کر رہا ہے جس تک ابھی ہمارا خیال نہیں پہنچا ہے اور نہ اُمید ہوتی ہے کہ ہم اسے پا سکیں۔ ہم اپنی بساط کے باہر کبھی کوئی کام نہیں کر سکتے ہماری ناچیز عقل کبھی اُن باتوں کا کھوج نہیں لگا سکتی جو اس کی رسائی سے باہر ہیں۔ الہام اور ملہم کے تعلقات کو سمجھنا واقعی ایک کٹھن کام ہے اور اُس کو پا لینا ایک مشکل امر ہے۔ جبکہ ہم انسانی خیالات کی گہرائی کو نہیں پا سکتے اور خود اپنے تصورات کی ڈور کے ساتھ نہیں چل سکتے تو کیونکر ممکن ہے کہ ہم فطرت کے سب سے اہم اور اعلے راز کو پا لیں گے قرآن مجید نے اگرچہ معجزہ۔ نبوت۔ الہام اور وحی کو صاف طور پر بیان کیا ہے لیکن سوائے الفاظ کے ظاہری مطالب کے اور کیا خاک سمجھ میں آسکتا ہے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ نبوت۔ معجزہ یا الہام و وحی کی توضیح کوئی اعلے درجہ کی بنیاد پر قایم ہو سکتی ہے یا یہ کل امور محض خیالی ہی خیالی ہیں اور انہیں انسانی خیال کا صرف ایک اُبھار ہی کہیں

ہم پہلے مناسب سمجھتے ہیں کہ خاص اس اہم معاملہ میں جو کچھ موجودہ فلسفی مِل نے لکھا ہے اُس کو نقل کر دیں تاکہ پھر ہم کو اپنے طور پر لکھنے کا موقع ملے۔ مِل لکھتا ہے "میرے مضمون الہام کو اس سے کچھ بحث نہیں ہے کہ میں عیسائیت یا کسی دوسرے مذہب کے علوم متعارفہ کو وحی یا الہام کے بارے میں بطور شہادت پیش کروں ان کل مذاہب کا دعویٰ ہے کہ وہ خدا کی طرف سے مبعوث ہوتے ہیں۔ لیکن اس قسم کا عام خیال کوئی خاص سلسلہ اپنے ساتھ نہیں رکھتا جو عام طور پر الہام مانا جاتا ہے جو ان تمام خیالات کا اصل الاصول ہے۔ الہام اور معجزہ کا مفہوم ایک ہی معلوم ہوتا ہے مثلاً قانون قدرت کی سلطنت میں ربانی مرضی کی براہ راست مداخلت کرنا اور ہم اپنے اسباب میں اس اصول پر بحث کرینگے۔ مفروضہ خدا جس نے دنیا بنائی اور اپنی مخلوق کی خوشی کے سامان مہیا کئے تو اس بنا پر معجزہ پیدا ہوا کہ جو ذات وحدت الوجود کائنات پیدا کر سکتی ہے اس میں یہ بھی قدرت ہونی چاہئے کہ وہ اس کی تراش خراش یا اس میں قطع برید بھی کر سکے۔ یہ ساری باتیں محض خیالی اور بے بنیاد ہیں۔ اس قسم کا کوئی آسمانی تعلق کسی انسان کو نہیں ہو سکتا وہ فرضی ذات نہ انسان کو کچھ دے سکتی ہے اور نہ کسی علم کی طرف اُس کی رہنمائی کر سکتی ہے نہ انسانی زندگی کی مشکلات کو وہ حل کر سکتی ہے۔ سوال صرف یہ ہے۔ کیا کوئی شہادت ایسی مل سکتی ہے جس سے ربانی الہام کی صداقت ہو جائے تو پھر یہ سمجھنا چاہئے کہ اس شہادت کی فطرت کیا ہوگی اور وہ شہادت اپنے ساتھ کیا وزن رکھیگی"۔

یہاں تک مِل کا بیان ہوا۔ اُس کے سوالات کا جواب دینا مشکل نہیں ہے مگر خرابی یہ ہے کہ وہ سرے سے خدا ہی کا قایل نہیں۔ سب سے پہلے اُسے خدا کی ہستی سمجھائی جائی اور پھر اُن تعلقات پر بحث کی جائے جو عبد اور معبود میں ہیں۔ ہم اگر خدا کی ذات پر بحث کرینگے تو ہمارا مقصود ساقط ہو جائے گا ہمیں صرف معجزہ اور نبوت پر بحث کرنی ہے اور ہم خیال کرتے ہیں کہ اسی بحث سے تمام شبہات رفع ہو جائیں گے۔

ہمارے علمائے معجزہ کے جو معنی لئے ہیں اور جس صورت سے وہ معجزہ کو سمجھے ہیں فی الحقیقت اُنہوں نے فطرت کے بڑے راز کی کچھ بھی وقعت نہیں کی اور اُسے بازاری آدمیوں کے ہاتھوں میں دے کے اُس کی سخت توہین کی ہے۔ یہ سمجھنا چاہئے کہ معجزہ اگر اس کا نام ہے کہ ایک فعل کو دیکھ کے عقل عاجز ہو جائے اور اُس کی کُنہ تک نہ پہنچ سکے تو بہت ہی معمولی بات ہے ہزاروں کام ہیں اور ہماری سمجھ میں نہیں آتے اور ہزاروں فن ہیں جن کے سمجھنے کا ہم خیال ہی نہیں کر سکتے کیا ہم اُن انسانی افعال کا نام معجزہ رکھیں گے؟ نہ یہ معجزہ ہے کہ خشک درخت میں میوہ لگ جائے چٹانوں سے شیریں پانی کا چشمہ بہنے لگے اور جنم کے اندھے بینا ہو جائیں کوڑیوں کو آرام ہو جائے گھومتا آسمان پھاڑنے لگے خلاف ہوا پانی برسنے لگے یہ باتیں نہ صرف مجنونانہ خیالات ہیں بلکہ اُس کی بھی سخت توہین کی باعث ہیں جس کی ذات سے ان واقعات کی نسبت دی جاتی ہے۔ خدائے تعالےٰ نبی کو اس لئے مبعوث نہیں کرتا کہ وہ اس کے قانون قدرت کو ہمیشہ بدلا کرے اور اُس کے کروروں برس کے قواعد کو ہوش سنبھالتے ہی ستیاناس کرنے لگے۔ یہ قانون قدرت ہو چکا ہے کہ جب درخت کے ریشوں میں زمین سے عرق چوسنے کی طاقت سلب ہو جائے اور وہ اپنی کل رطوبت سے بے بہرہ ہو جائیں ہرگز پھل نہیں دے سکتے اور نہ اُن میں دوبارہ سرسبز

ہونے کی قوت باقی رہتی ہے اب ایک شخص اسی کو سرسبز کردے اور خلاف معمول اس میں میوے لگا دے
یہ تو گویا اس نے آتے ہی قوانین قدرت پر ہاتھ صاف کیا اور اگر یہ بات نہیں ہے اور اس نے دوسرا پہلو اختیار
کیا ہے یعنی چیزوں کی اصلی فطرت کو نہیں بدلا ہے بلکہ لوگوں کو نئی صورت یا خلاف فطرت ہیئت میں دکھا دیا ہے
تو اس نے خدا کی مخلوق کو بہت ہی دھوکا دیا کہ چیز تھی کچھ اور دکھائی کسی صورت میں گئی۔ آج دنیا میں کسی نبی
کے ایسے معجزہ کا پتہ نہیں لگتا جو خلاف فطرت باری تعالےٰ کسی زمانہ میں ظہور پذیر ہوا ہو اور کچھ نہ کچھ اس کا اثر باقی
ہو۔ مثلاً کسی نبی نے کسی پہاڑ سے چشمہ بہا دیا مگر آج جا کے دیکھو تو وہاں نہ چشمہ ہے نہ تری ہے نہ سبزہ ہے۔
اور اگر ان باتوں کو فرض کر لیں کہ یہ صحیح ہیں تو پھر سوال یہ پیدا ہوگا کہ معجزہ کے دکھلانے سے فائدہ ہی کیا ہے۔
اگر ایک شخص نے سوکھے درخت میں میوے لگا دیئے اور وہ کھلا بھی دیئے تو اخلاقی اثر ان پھلوں کا کھانے
والے پر کیا ہوا۔ انسانی تمدن میں اس سے کیا ترقی ہوئی۔ کوئی شخص کسی ایسے درخت کا پتہ دے سکتا ہے کہ اب
بھی اس میں پھل لگتے ہیں یا کسی ایسے شہر کا نشان بتا سکتا ہے جو معجزہ سے بسایا گیا ہو اور وہ اب تک آباد ہو جب
یہ بات نہیں ہے تو نبیوں کے معجزے اور ولیوں کی کرامتیں محض ہنگامی ہوئیں اور ایسی ہنگامی باتوں کی جس قدر
قدر و منزلت ہو سکتی ہے وہ کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہے قرآن مجید نے جہاں اور مافوق الفطرت باتوں سے
انکار کیا ہے وہاں اس قسم کے معجزوں سے بھی پہلو بچایا ہے اور جب کبھی معجزہ کے طلبگاروں کے آگے کوئی
بات پیش بھی کی ہے وہ فطرت اور اس کے گہرے رازوں کی ہے۔

ہماری اس تحریر سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ہمیں نفس معجزہ سے انکار ہے بلکہ ہم معجزہ کو مانتے تو ضرور ہیں لیکن اسکے
ایسے محدود معنی نہیں لیتے جو عام طور پر سمجھ لئے گئے ہیں ہم کہتے ہیں کہ معجزہ فطرت کا بہت بڑا راز ہے کہ جب تک فطرت
قایم ہے وہ بھی باقی ہے۔ در اصل معجزہ، نبوت اور فطرت لازم و ملزوم ہیں اور ایک چیز دوسری چیز کے بغیر کبھی
قایم نہیں رہ سکتی ہم اسبات کے قائل ہیں کہ ہمارے نبی معصوم مثل اور انبیا نے معجزے دکھلائے لیکن آپکے وہ معجزے
دیرپا اور غیر فانی ہیں اور جب تک یہ دنیا قائم ہے کبھی ان کی بزرگی میں فرق نہیں آ سکتا۔ ہماری نظریں ان تعلقات
کی طرف ہیں جو آپ کو اپنے خالق کے ساتھ تھے اور ہم اعتراف کرتے ہیں کہ اس تعلق کو ہم نہیں سمجھ سکتے۔ وہ
کونسی بات تھی جس نے آپ کے بزرگوں کو آپ کا مطیع بنا دیا تھا اور اس وقت کہ آپ بے سروسامان تھے
کیوں آپکے چچا آپ پر ایمان لائے اور انسانی فطرت کے خلاف کیوں انہوں نے ایسا کیا کیوں ان بوڑھے
سرداروں نے جن میں صحرائی آزادی خون کی طرح سے ملی ہوئی تھی اور جن کے سامنے آپ پیدا ہوئے پرورش
پائی بڑے ہوئے اور پھر نبوت کا دعویٰ کیا وہ کیوں اور کس صورت سے معتقد ہو گئے اور معتقد بھی ایسے کہ آپکی
اطاعت مثل غلاموں کے کی۔ ایک بے سروسامان شخص میں جس نے نہ کبھی تعلیم پائی نہ حکما کی صحبت میں بیٹھا کہاں
سے یہ قدرت پیدا ہو گئی کہ اس نے زمانہ کا ساتھ نہیں دیا بلکہ زمانہ کو اپنا کر کے دکھا دیا۔ یہ باتیں کچھ معمولی نہیں ہیں
ان پر سخت غور و فکر کی حاجت ہے اور بغیر ایک کافی توجہ کے ان کا سمجھ میں آنا مشکل ہے۔ کوئی بھی نظیر دنیا کی تاریخ میں

ایسی نہیں ملتی کہ وحشی خطہ سے جہلا کے گروہ سے بت پرستوں کے مجمع سے صحرائی قوم سے ایک ایسا شخص پیدا ہو جو نہ صرف قدیم ادیان ہی پر غالب آجائے بلکہ قدیم پُر شوکت سلطنتوں کی بھی اینٹ سے اینٹ بجادے جتنے حکما پیدا ہوئے علم و حکمت کی معدن سے بودھ پیدا ہوا تو ہندوستان جیسے ترقی کناں خطہ سے زردشت پیدا ہوا تو ایرانی سرزمین سے جس کی سلطنت حکمت اور صناعی کی دھوم مچ رہی تھی اسی طرح جتنے حکیم اور مصلح پیدا ہوئے سب متمدن ممالک سے مگر کیوں کر ہو سکتا ہے کہ ایک شخص وحوش و بہایم میں پیدا ہو اُن ہی میں پرورش پائے نہ اُسے تعلیم ملی ہو اور نہ تمدن کے قواعد سکھائے گئے ہوں پھر وہ ایک جدید تمدن کی بنیاد ڈالے اور اُسکے تمدن کا اثر نہ صرف عرب پر بلکہ اور متمدن ممالک پر بھی پڑے۔ اس کی وفات کے بعد کیوں نہیں اور لوگ جو بوت کے دعوے میں کامیاب ہوئے اور کیوں وہ صفحہ ہستی سے مٹا دیئے گئے۔ کس غیر معمولی عقل سے اُس نے کام لیا جو وہ نہ لے سکتے تھے اور کیا ایسی اعلےٰ تدبیری کی جو اور دعویداران نبوت نہ کر سکتے تھے۔ نہ کسی بڑی عقل سے کام لیا گیا نہ کوئی ایسی اعلےٰ تدبیری کی گئی جو سمجھ میں نہ آئے وہی سادہ معاشرت وہی معمولی تدبیر وہی کارروائی جو عام طور پر کی جاسکتی ہے زمانہ نبوت تک کی۔ زندگی بسر کرنے کا بھی وہی طریقہ رکھا جو اور لوگ رکھتے تھے۔ جب کوئی غیر معمولی بات نہ تھی تو پھر رہ کے یہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس پاک نفس نے کیا افسوں پڑھا جس کا تیرہ سو برس گزرنے کے بعد بھی اثر زائل نہیں ہوا ہے اور جو حرارت کہ ابتدائی سنین اسلام میں تھی جوں کی توں باقی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ سلطنت مذہب کی زندگی کی باعث ہے تو پھر اسلام ایسے دور و دراز ملک میں کیوں ترقی کر رہا ہے جہاں ایک دن بھی مسلمانوں کی سلطنت نہیں ہوئی اور نہ وہاں کی زمین کا ایک چپہ اُن کے قبضہ میں آیا۔ اسلام کیوں انسانی فطرت کے مطابق ثابت ہوتا جاتا ہے اور کیوں کر ایک ناخواندہ نفس نے فطرت کا اس گہرائی سے مطالعہ کیا کہ اپنے تمام اصول اُسی کی بنیاد پر قایم کئے۔ کس حکیم یا مصلح نے اپنے نئے معتقد بنانے کی کوشش نہیں کی اور آج ہزاروں حکما اور مصلحان قوم میں کس کسکے نام لیوا نظر آتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اُمت کہاں گئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی اُمت کیا ہو گئی حضرت لوط۔ حضرت نوح حضرت یعقوب حضرت یوسف حضرت موسےٰ کی اُمتیں کہاں گئیں اور اب اُن کا کوئی کھوج نکال سکتا ہے حضرت مسیح یا حضرت موسےٰ کے نام لیوا اگرچہ باقی ہیں مگر اُن کے اعتقادات کا خدا ہی حافظ ہے۔ اُن کی اصلی تعلیم کہاں ہے اور وہ کونسی کتابیں ہیں جو اُن پر نازل ہوئی تھیں۔ ہزارہا اختلافات قومی تفریق سلطنتوں کے اُلٹ پھیر اور نئے نئے عقیدے کے سرگروہوں نے قرآن میں کیوں نہیں تبدیلی پیدا کر دی جبکہ دنیا کی ہر چیز میں فطرتاً تبدیلی لازمی کر دی گئی ہے یہ مسلمہ مسئلہ کہ عالم متغیر ہے اور جو چیز متغیر ہے حادث ہے پس عالم حادث ہے ہر مقام پر صحیح ہوتے ہوتے قرآن کے مقابلہ میں کیوں کر غلط ہو گیا دنیا میں کونسی کتاب ہے جو بلا تبدیل و تحریف تیرہ سو برس سے یکساں چلی آتی ہو اور لاکھوں خاندانی تغیرات اُس میں ایک حرف کی بھی تبدیلی پیدا نہ کر سکے اخیر یہ کیا بات ہے اور کیوں نہ ہمیں اُس راز کا پتہ لگانا چاہیے اور اُس کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے ممکن ہے کہ ہم اپنے ارادہ میں کامیاب ہوں اور اگر نو فرضنا یہ تہیتی

سے نہیں کامیاب ہوئے جب بھی کچھ نہ کچھ ہمیں حاصل ہی ہو جائے گا اور بہت سی نامعلوم باتیں معلوم ہو جائیں گی۔

ہمیں کچھ دیر کے لئے ذرا پیچھے ہٹ کے دنیا کے نظام پر غور کرنا چاہیے اور سب سے پہلے یہ دیکھنا ضرور ہے کہ دنیا میں بتدریج اور مسلسل طریقہ ہزاروں برس سے یکساں کیوں کر چلا آتا ہے اور کیا وجہ ہے کہ اس ترتیب اور تسلسل میں کسی صدی کسی قرن کسی سال کسی ماہ اور کسی دن میں ذرا بھی فرق نہیں پڑا۔ ابتدائی زمانہ میں انسان کی کیا کیفیت تھی اور اس کے تمدن کی کیا حالت تھی وہ کیا لباس پہنتا تھا اور اس کے کیا خیالات تھے کیوں وہ ایک ہی حالت میں نہیں رہا اور نسلاً بعد نسلاً اسے اپنے خیالات محسوسات معاشرت اور تمدن میں کیوں نئی نئی اصلاحوں کی ضرورت پڑی اور کس چیز نے اسے رستہ دیا کہ وہ تمام کائنات میں ایک حد تک اپنے کو اشرف المخلوقات ثابت کر دے۔ انسان کی جو اب حالت ہے یہی کئی صدی بلکہ کئی ہزار برس پہلے تھی یہی دماغ یہی ہاتھ پیر یہی قد اور یہی آنکھیں ایک ہی آب و ہوا ایک ہی مرز بوم وجہ کیا کہ زمانہ گزرتے گزرتے انسان انسان بن گیا اور کیوں نہیں اس نے ایک ہی بار ترقی کر لی اور کیوں نہیں وہ ایک ہی حالت پر قایم رہا یہی مادہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت میں تھا یہی اجزائے لایتجزیٰ بھی موجود تھے یہی خلا یا غیر خلا یہی تھا مادہ نے کیوں نہیں وہ ترقی کی جو آج ہو رہی ہے۔ اگر مادہ میں فی الحقیقت ادراک ہوتا تو ضرور وہ اسی زمانہ میں کچھ ہاتھ پیر مارتا اور اس کی حالت ہمیشہ یکساں رہتی مگر یہ نہیں ہوا مادہ اگر قدیم ہے تو ہو یہ نہیں ثابت ہو سکتا کہ اس میں ادراک اور شعور بھی ہے۔ مادہ کی قدامت غیر قدامت میں بحث کرنا عبث ہے جبکہ یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ مادہ میں کسی قسم کا بھی ادراک ہے۔ ان سب باتوں پر غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ضرور ایک ہستی ہے کہ جو مادہ میں غیر معلوم ادراک پیدا کرتی ہے اور خاص اسی مادہ سے انسان بنتا ہے۔ جو اجزا کہ انسان میں ہیں وہی ایک درخت میں ہیں اور وہی ایک حیوان میں ہیں پھر کس چیز نے اسے یہ وقوف دیا اور ایسی کونسی پوشیدہ قوت ہے جس نے اسے آسمان پر چڑھا رکھا ہے۔ ایک بندر یا ایک کتے میں جبکہ وہ ایک ہی مادہ سے بنا ہوا ہے یہ عقل کیوں نہیں پیدا ہو گئی مادہ کیوں نہیں ایک بیل کو انسان بنا دیتا اور مادہ کی جب خاص خاص صفات مشخص ہو گئی ہیں ان کی تبدیلیاں مختلف اجسام میں کیوں جا کے نیا نیا رنگ اختیار کرتی ہیں۔ بکری اور شیر کے مزاج میں کیوں بہت بڑا بل ہے۔ شیر کیوں گوشت کھانے پر مجبور ہے اور بکری کیوں نہیں گوشت کھاتی۔ وجہ کیا کہ شیر میں اتنی غیر معمولی قوت ہے اور گھوڑے میں جو اس سے زیادہ جسیم اور چالاک ہے یہ قوت نہیں ہوتی۔ مادہ میں کیوں اتنا فرق پیدا ہو گیا اور مادہ نے کیوں ان جانوروں کو یکساں حالت پر نہیں رکھا۔ اجسام کے معمولی اختلاف کے سوا کوئی بھی فرق ایک کتے اور بھیڑیے یا شیر میں نہیں ہے وہی گوشت وہی پوست وہی خوراک وہی انتڑیاں وہی گردے وہی خون پھر کیا وجہ ہے کہ قوت اور خونخواری میں ایسا اختلاف ہے۔ یہ باتیں ہیں جو زیادہ توجہ کی محتاج ہیں اور یہ اہم امور ہیں جن میں فطرت کے رازوں کا کچھ پتہ لگتا ہے۔ پھر یہ دیکھنے کی بات ہے کہ ایک ہی جنس کی اشیا میں بھی باہم ایک اختلاف عظیم ہے جس طرح ایک ماں باپ کے بچوں کی صورتوں

مزاج محسوسات معاشرت خیالات میں فرق ہوگا اسی طرح ایک شیر کے بچوں میں بھی اختلاف ہوگا۔ ایک ہی خون کے سب بنے ہوئے ایک ہی ماں کے دودھ پئے ہوئے ایک ہی آب و ہوا میں پرورش پائی ہوئی پھر بھی اُن میں کیوں اختلاف رہتا ہے اور ان کے مزاجوں میں خواہ جانور ہوں یا انسان کیوں عظیم فرق پایا جاتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ انسان اپنی کھوپریوں کی بناوٹ سے مجبور کیا گیا ہے کہ جیسی اس کی کھوپری کی بناوٹ ہو ویسا ہی اُس کا مزاج ہو تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک ہی والدین کے بچوں کی کھوپری کی بناوٹ یکساں کیوں نہیں ہوئی اور ان میں کیوں اختلاف رہا۔ اس اختلاف سے اتنا پتہ تو ضرور چلتا ہے کہ مادہ سب باتوں کی جڑ ہے مگر اس میں ادراک نہیں ہے اور یہ ادراک جو اس میں ودیعت ہوا ہے ضرور ایک پوشیدہ قوت کی طرف سے ہے اور جس قدر تبدیلیاں ہوئی ہیں سب اسی قوت سے پیدا ہوتی ہیں اور جہاں تک غور کیا جاتا ہے اِن ہی تبدیلیوں سے کائنات کا انتظام چلتا ہے۔ اگر ابتدا سے انسان اور حیوان کی ایک ہی رفتار ہوتی اگر آغاز پیدائش سے کسی قسم کا تغیر و تبدل نہ ہوتا تو یہ اس وقت ضرور خیال آ سکتا تھا کہ منتظم کوئی ذات نہیں ہے زمانہ اپنے کینڈے پر چل رہا ہے اور یوں ہی ہوتا چلا جائے گا۔ فی الحقیقت اگر خدائے تعالیٰ کی ذات کا پتہ لگ سکتا ہے تو صرف اس اختلاف سے اور اسی تغیر و تبدل میں ہم خدائے کو پا سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ ایک اور پہلو بھی خداشناسی کا ہے اور وہ انسان کے مختلف مدارج ہیں۔ اول دن سے انسان کی فطرت میں یہ ودیعت ہوا ہے کہ اُن کا ایک سرگروہ ہو کچھ انسان ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ جانوروں میں بھی ایسا دیکھا گیا ہے۔ مثلاً ہرنوں کے جھنڈ میں ایک رہنما ضرور ہوتا ہے اور شکاری اسے اچھی طرح جانتے ہیں بھیڑوں کی مثل تو عوام کے بھی زبان زد ہے کہ اگر آگے والی بھیڑ ایک تباپر ہوئے تو سب بھیڑیں اُس کے پیچھے ہوتی ہیں ہوا میں قازیں جب پرا باندھ کے اُڑتی ہیں تو ضرور ایک قاز سب کے آگے ہوتی ہے اور جس سیدھ میں وہ جاتی ہے سب اُسکے پیچھے پڑ جاتی ہیں۔ شہد کی مکھیوں کی کیفیت تو عام طور پر سب کو معلوم ہے کہ ایک بادشاہ ان میں ہوتا ہے اور سب مکھیاں اُس کی متابعت کرتی ہیں غرض اسی طرح سے کم و بیش یہی انتظام فطرت کی طرف سے قایم ہے اور اس انتظام پر کوئی بھی شک نہیں کر سکتا اسی طرح سے انسان بالطبع ایک دوسرے کا محتاج پیدا ہوا ہے اور اول روز سے ہوش سنبھالتے ہی اُسے ایک رہنما کی ضرورت ہوتی ہے پہلے وہ والدین کی سرپرستی میں رہتا ہے اور جب تک اپنا داہاں بایاں نہ پہچاننے لگے اُن ہی کی اطاعت کرتا ہے اور جب بالغ ہوتا ہے اور اس پر اپنی زندگی بسر کرنے کا بوجھ پڑتا ہے تو وہ پہلے رہنما کی تلاش کرتا ہے جو اسے زندگی بسر کرنے کے قاعدے بتائے اور اپنے تجربہ سے اُسے نئی باتیں سکھائے۔ ہر حالت میں اُسے ایک معلم کی ضرورت ہوتی ہے خواہ وہ کوئی فن سیکھے خواہ کوئی علم خواہ سپاہی بنے خواہ فقیر خواہ چور بنے خواہ نیک بخت بغیر معلم کے وہ کچھ نہیں کر سکتا۔ جب یہ ساری باتیں ثابت ہوگئیں تو یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ فطرت نے خود اس کی طبیعت میں دوسرے شخص کی اطاعت کرنے کی ضرورت پیدا کر دی ہے اور یہ ضرورت اخیر میں اُس کی زندگی کا جزو اعظم بن گئی ہے۔ ممکن نہیں کہ وہ دنیا میں پیدا ہو

اور بغیر دوسری کی مدد کے زندہ رہے بڑے بڑے رشیوں اور ولیوں کی داستانیں سنی ہیں اور تارک الدنیا صاحبان
کو بھی دیکھا ہے مگر ان کا دنیا کے ترک کرنے کا ادعا محض غلط اور مہمل معلوم ہوا ہے۔ کیا تماشہ کی بات ہے کہ دنیا
ہی میں رہتے ہیں۔ اسی آب و ہوا میں زندگی بسر کرتے ہیں اناس پتی پر گزارا کرتے ہیں اور پھر یہ دعویٰ ہوتا ہے کہ ہم نے
دنیا کو چھوڑ دیا۔ آبادی سے کنارہ کرنے کا نام ترک دنیا رکھا ہے۔ کسی غار میں گوشہ گزین ہونا اور کسی سے سروکار
نہ رکھنا اس فطرت کو نہیں بدل سکتا جو باری تعالیٰ نے انسان میں ودیعت کی ہے۔ وہاں بھی ان لوگوں کو وہی
احتیاج رہتی ہے جو زندگی کے لئے لازمی ہے اگر ہوا نہ ہو تو وہ ایک لمحہ میں مرجائیں۔ اور اکثر تو ایسا دیکھا گیا ہے
کہ ان لوگوں کے معتقد تر مال جنگل ہی میں انہیں پہنچاتے ہیں اور ان کی زندگی کا دار و مدار مریدوں کی مدد پر بہت بڑا
ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان مدنی الطبع پیدا ہوا ہے اور اس کی زندگی کا دار و مدار اوروں کی مدد پر رکھا گیا
ہے ایک دوسرے کا محتاج ہے اور ایک کو دوسرے سے احتیاج ہے۔ جب احتیاج ہوئی تو اسے اطاعت
بھی لازمی ہوگئی اور اس کا فرض ہوگیا کہ وہ اپنے ہی جنس کے کسی شخص کی اطاعت کرے۔ اب یہ لیاقت اور
قابلیت پر موقوف ہے کہ کسی شخص نے اپنے دس مرید بنالئے اور کسی نے سو اور کسی نے ہزار اور کسی نے دس ہزار۔
اب اس مطیع یا مرید بنانے کا دوسرا پہلو ہے۔ مرید بنانا تو آسان ہے لیکن ان مریدوں کو ہمیشہ اپنا مطیع بنائے
رکھنا یہ دوسرا امر ہے۔ مثلاً چند آدمی ایک شخص کو اپنا مرشد مانتے ہیں اور ان کی کوئی خاص غرض ہے جس سے وہ
ایسے معتقد دکھائی دیتے ہیں اگر وہ غرض ان کی نکل گئی تو پھر ان کے اعتقاد کی وہ کیفیت نہیں رہنے کی جو ابتدا میں
تھی اور اگر وہ غرض ان کی نہیں نکلی اور اسے ایک زمانہ گزر گیا پھر بھی وہ اعتقاد میں کچے ہوجائیں گے۔ اور اگر فرض
کرو نہ بھی ہوئے پیر کے مرنے کے بعد تو ضرور اعتقادات میں سستی آجائے گی اور چند سال کے بعد کوئی جاننے
کا بھی نہیں کہ کوئی پیر صاحب یہاں بستے تھے اور ان پر لوگوں کے یہ اعتقادات تھے۔ ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ
دنیا کے ہر ملک میں ہزاروں پیر ہوئے مگر اب ان کا معتقد بمشکل کوئی نکلے گا۔ کہیں ان لوگوں کو پیر کہتے ہیں
کہیں پیغامبر یعنی مصلح کہیں رشی اور کہیں اوتار کہیں سینٹ کہتے ہیں۔ ان سب کا ایک ہی مفہوم ہے اور یہ
ہر ملک میں زبان اور محسوسات کے اختلاف کی وجہ سے نئے نئے ناموں میں پکارے جاتے ہیں۔ ہزاروں
ہوئے اور فنا ہوگئے مگر آج ان کا نام لینے والا ایک بھی نہیں نکلنے کا اور اگر ان میں سے بعض کے نام بھی مشہور
ہیں تو ان کے اعتقادات ایسے سرد ہوگئے ہیں کہ جتنا ہونا چاہئے وہ احترام ان کا نہیں ہوتا۔

اسکے علاوہ ایک اور بات بھی پیدا ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ قدرت نے کائنات کی ہر چیز میں ایک امتیاز
پیدا کیا ہے اور اس امتیاز کا سلسلہ ذرہ سے لیکے آفتاب اور تمام بڑے سے بڑے کروں میں پایا جاتا ہے
ایک گھوڑا ہے کہ وہ کرایہ کی گاڑیوں میں یا یکوں میں جوتا جاتا ہے اور بیچارہ سارا دن چکر لگاتے لگاتے مرجاتا ہے
کبھی نہ اسے اچھی طرح کھانے کو ملتا ہے اور نہ اس کی خدمت ہوتی ہے ایک گھوڑا ہے جو شاہ کے اصطبل میں
بندھا رہتا ہے دودھ جلیبیاں کھاتا ہے اور گھڑی آدھ گھڑی کی سواری کے بعد پھر آرام اپنی زندگی بسر کرتا ہے

یہ صحیح ہے کہ مثل انسان کے حیوان کو خوشی اور رنج زیادہ محسوس نہیں ہوتا پھر بھی اس میں تکلیف اور راحت محسوس
کرنے کی حس موجود ہے اور وہ ضرور اس سے متاثر ہوتا ہے۔ آقا کا معمولی طور پر اس کی ایال اور سر پر ہاتھ پھیرنا
اس کی بے انتہا شادمانی کا باعث ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر جانور کا درجہ ہے۔ جانور تو اپنی حالت آپ بدل ہی نہیں
سکتا پھر کونسی پوشیدہ قوت ہی کہ ایک جانور کو میدان جنگ میں گولیوں اور گولوں کی بارش میں لے جاتی ہے
اور ایک جانور کو امیرانہ اصطبل میں رکھتی ہے۔ کس چیز نے جانوروں میں امتیاز پیدا کیا ہے اور کونسی قوت ہے جو
انہیں اعلے اور ادنے درجہ پر پہنچاتی ہے! اسی طرح فطرت نے انسان میں بھی ابتدا ہی سے مدارج قایم کئے ہیں اور
انسان کو اس میں کچھ بھی دخل نہیں بلکہ اس کے خون میں امتیاز کرنا ملا ہوا ہے اور یہ امر اس کا طبعی ہے کسبی نہیں ہے
ایک بادشاہ ہے ایک فقیر ہے ایک مریض ہے ایک صحیح ہے ایک عالم ہے ایک جاہل ہے۔ غرض مدارج میں
امتیاز ہونے ہی کی وجہ سے ایک دوسرے کی اطاعت کرتا ہے۔ اسی انسانی فطرت کے مطابق خداوند تعالیٰ نے
فرمایا ہے کہ ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی اس صریح بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا تو فطرتاً انسان کا فرض ہے
کہ ہر بزرگ کی تعظیم کرے اب دیکھنا صرف یہ ہے کہ وہ بزرگی اسے کسی پوشیدہ قوت سے پہنچی ہے یا اس کی کسبی
ہے۔ اگر فطرت کا ہاتھ اس کے سر پر ہے اور وہ اسی بنا پر بزرگ بنا ہے تو تو اس کی یہ بزرگی فطرت کے قیام تک
رہے گی اور اسے کسی حالت میں بھی زوال نہیں آسکتا اور اگر اس کی بزرگی میں فطرت کا ہاتھ نہیں ہے تو وہ قیامت
تک دیرپا نہیں رہ سکتی اور بہت جلد فانی ہو جائے گی۔ اب صرف دیکھنا یہ ہے کہ انسان کو اپنے خالق کے ساتھ
کیوں کر تعلق ہوتا ہے اور اس تعلق کے معنی کیا ہیں۔ اس بات کو سب نے تسلیم کر لیا ہے کہ انسان کائنات کا لب لباب
ہے۔ اور سب میں اشرف ہے اب یہ شرف اور بزرگی اس کی پیدا کی ہوئی تو ہرگز نہیں ہو سکتی کیوں کہ اگر ہر شے
میں خود کچھ ہونے یا بننے کی قدرت ہوتی تو فطرت کی ہر شے میں ہونی چاہیے تھی جب کوئی منتظم ہی نہیں ہے پھر
کس نے انسان کو اشرف بنا دیا۔ اگر یہ آپ ہی آپ بنا ہے تو اس کا یہ دعوی جھوٹا ہے کیوں کہ جن اجزا سے اس
کی ساخت ہوئی ہے ان ہی اجزا سے ایک حیوان کی اور ان ہی اجزا سے ایک درخت کی۔ ان میں بھی یہ طاقت
ہونی چاہیے تھی کہ بتدریج ترقی کرتے کرتے یا زمانہ گزرتے گزرتے وہ بھی اشرفیت کے دائرہ میں آجاتے مگر جب
یہ بات نہیں ہوئی تو ہم سمجھتے ہیں کہ علاوہ ان اجزا کے جو کل حیوانات نباتات جمادات میں شامل ہیں ضرور ایک علیحدہ
جوہر بھی ہے جو کائنات کی کسی چیز میں نہیں ہے اور اسی جوہر کی وجہ سے اسے تمام کائنات کی اشیا پر شرف ملا ہے
وہ جوہر اس نے نہ از خود پیدا کیا ہے نہ آپ سے آپ اس طبیعت میں پیدا ہوا ہے کیوں کہ اگر ان دونوں باتوں
میں سے ایک بات ہوتی تو ضرور اس جوہر کا خود انسان ہی پتہ لگا لیتا اور جب کہ علوم جدیدہ صاف صاف اعتراف
کر رہے ہیں کہ ابھی تک انسانی زندگی کا ایک ہزارواں حصہ بھی نہیں پہچانا گیا ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ
جوہر کسی ایسی پوشیدہ قوت کا عطا کیا ہوا ہے جو ہر جگہ ہے مگر دکھائی نہیں دیتی جس کی ریشہ دوانی ذرہ ذرہ میں
ہو رہی ہے مگر ان آنکھوں سے نہیں سوجھتی اس بنا پر قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ میں تمہاری رگ شریان سے

بھی زیادہ قریب ہوں جتنا تم میرے پاس آتے ہو میں تمہارے قریب آتا ہوں جتنا تم مجھ سے دور ہوتے ہو میں تم سے اور بعید ہو جاتا ہوں۔ بہرحال یہ ثابت ہو گیا کہ کوئی خاص جوہر انسان میں ضرور ہے اور وہ ایک پوشیدہ قوت کا عطا کیا ہوا ہے وہی پوشیدہ قوت امتیازیہ مدارج قائم کرتی ہے اور اسی پوشیدہ قوت نے انسان میں یہ تفریق پیدا کر رکھی ہے جو ہم روزمرہ اپنی آنکھوں کے آگے دیکھتے ہیں۔ اور آخیر اسی پوشیدہ قوت کا نام ہم نے حقیقی خالق رکھا ہے۔ اب یہاں سے دونوں باتیں ثابت ہو گئیں ایک تو باری تعالےٰ اور دوسرے کائنات میں اس کا دخل جب دخل ہوا تو اب اس کے اختیار میں ہے خواہ کسی کو اپنے خاص کام کے لئے چن لے اور اس سے اپنی مخلوق کی بہتری کے نئے نئے سامان پیدا کرے اس جوہر میں جو خاص اس خالق نے ہر انسان کو عطا فرمایا ہے اپنی مرضی شامل کر دے اور اس سے وہ وہ کام لے جو وہ محض ایک معمولی انسان کی صورت میں ہرگز نہیں کر سکتا تھا۔ اور ان کاموں کو کبھی آیات بینات کے نام سے پکارے اور کبھی معجزے سے تعبیر کرے وہ ایسے پاک نفس سے جسے اس نے اپنی مرضی کے پورا کرنے کے لئے چن لیا ہے باتیں بھی کرے اور اس کی باتیں کرنا ہماری سی باتیں کرنا تو بیشک نہیں ہونے کا بلکہ وہ رازدارانہ طریقے ہوں گے جنکے بیان کرنے کی نہ ہمیں طاقت ہے اور نہ ہماری زبان میں الفاظ پیدا ہوئے ہیں۔

یہیں سے عبد اور معبود کے تعلقات کا حال کھلتا ہے اور یہیں سے مخلوق اور خالق کے ارتباط کا راز معلوم ہوتا ہے۔ اس نے اپنی مخلوق کو پیدا کر کے ان قوانین کے مطابق تعلیم دی جو وہ روز ازل میں بنا چکا ہے اور ان قوانین کو چونکہ اس کی ذات سے ایک خاص نسبت ہے اسلئے کوئی شخص ان کا کھوج نہیں لگا سکتا اور جسطرح اس کی ذات کی کنہہ کے سمجھنے میں عاجز ہے اسی طرح ان قوانین کی باریکی اس کے خیال میں حشر تک نہیں آ سکتی۔ اس نے اپنے ان ہی قوانین قدرت کی بنا پر پہلے انسانی مخلوق میں حضرت آدم کو چن لیا اور انسانی زبان میں ان کے کچھ حالات بیان فرما دیئے اور وہ حالات ویسے ہی ہیں جو حضرت آدم کے زمانہ کی معاشرت سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً انہیں منع کرنا کہ جس درخت کے پاس جانے کے لئے ہم نے منع کیا ہے وہاں نہ جانا اگر جاؤ گے تو نافرمانوں میں سے ہو گے۔ قرآن کا اس بیان سے اصلی مقصود یہ ہے تاکہ ابتدائی دنیا کی معاشرت محسوسات اور خیالات معلوم ہوں اور یہ سمجھ میں آجائے کہ خالق حقیقی نے اول ہی اول انسانی تعلیم کا طریقہ کیا رکھا تھا۔ اسی طرح جتنے قرآنی قصص ہیں سب میں یہی بالغ حکمت مضمر ہے۔ نا سمجھ نہیں سمجھتے اور محض اپنی لاعلمی سے اعتراض کرتے ہیں حضرت مسیح علیہ السلام کا قصہ کہ وہ مٹی کے پرند بناتے تھے اور ان میں جان ڈال دیتے تھے محض اس بنا پر بیان کیا گیا ہے کہ اس زمانہ کے لوگوں کے یہ اعتقاد اور خیالات تھے مگر آخیر یہ ساری باتیں جاتی ہی رہیں اسلئے حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے جن امور کی نسبت دی ہے ان میں یہ مافوق الفطرت باتیں مطلق نہیں ہیں جب آپ سے معجزے کی خواہش کی گئی تو آپ نے صاف فرمایا اے نادانوں کیا معجزہ چاہتے ہو جبکہ عالم خدا کے معجزوں سے بھرا ہوا ہے۔ دن اور رات کا تغیر و تبدل ہوا میں مستعد اور بیتر۔ فطرت کے کاموں میں ہم آہنگی کیا ان فطرت کی اشیا کے آگے بھی کسی معجزہ کی ضرورت ہے انسانی

طبائع فطرت کے مشاہدات کے قابل بن چکی تھیں اور اُن میں یہ قابلیت پیدا ہو چکی تھی کہ وہ کائنات کی چیزوں کی اصلیت سمجھنے لگیں نہ اُن کے آگے یہ ضرورت رہی تھی کہ حضرت ابراہیم کے قصے بیان کئے جائیں کہ آگ اُنکے لئے کس طرح باغ بنگئی تھی اور نہ یہ حاجت تھی کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح سے مٹی کے جانوروں میں جان ڈالی جاتی نہ اُنہیں یہ ضرورت تھی کہ حضرت موسےٰ کے صبر اور ضبط کا قصہ بیان کیا جاتا۔ قرآن مجید کو بغور دیکھنے والا سمجھ سکتا ہے کہ خداوند تعالےٰ نے طبائع انسانی کی تدریج ترقی کا حال بیان کیا ہے اور دکھایا ہے کہ پہلے ہم نے انہیں کیونکر تعلیم دی اور اب اُن کو کیونکر تعلیم دیتے ہیں۔ ہمارا پہلا طریقہ تعلیم کیا تھا اور بعد ازاں ترقی ہوتے ہوتے اس میں کیا کیا تغیر پیدا ہوا۔

سب کے بعد حضور انور رسول خدا محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ آیا او نبوت کے لحاظ سے یہ زمانہ اخیر تھا یا بالفاظ دیگر خدا کی تعلیم کا سلسلہ یہیں ختم ہوتا تھا یعنی ربانی تعلیم کی تکمیل ہو چکی تھی اس لئے جو تعلیم آپ کو دی گئی وہ وہی تعلیم ہے جو ہزاروں برس گزرنے کے بعد بھی زمانہ کے ساتھ برابر تطابق کھاتی چلی جائے گی۔ ہماری ان باتوں کو وہی اشخاص بہتر سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے قرآنی مضامین کو غور سے پڑھا ہے۔ غرض اس سے جو کچھ نتیجہ نکل سکتا ہے یہ ہے کہ اس تعلق کا نام جو خالق حقیقی کو اپنے کسی خاص بندے سے ہوتا ہے اور اس بندے کو وہ مخلوق پر اپنی مرضی پوری کرانے کے لئے چن لیتا ہے نبوت کہتے ہیں اور اس نبوت سے جو کام سرزد ہوتے ہیں انہیں معجزہ کہا جاتا ہے۔ یہ اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ معجزہ کی نہ تو کئی قسمیں ہیں اور نہ معجزہ کو کرامت یا استدراج کہتے ہیں نہ معجزہ سے یہ مطلب ہے کہ بھان متی کے سانگ دکھلائے جائیں بلکہ معجزہ سے جو غرض ہے وہ یہ ہے کہ نبی ایسے قوانین بنا جائے جو قیامت تک بلا تبدیل رہیں اور صدیوں پر صدیاں گزرنے پر بھی اُن میں ایک شوشہ کا بھی فرق نہ آسکے۔ اُن قوانین کا چاہے تسلیم کرانے والا ہو یا نہ ہو مگر وہ خود مخلوق کے دلوں میں گھر کرتے جائیں اور ہر متنفس اُن قوانین کی پابندی سے اپنی دنیاوی اور دینی بہبودی سمجھے۔ مثلاً آج ہندوستان میں کسی شہر میں کوئی ایسا حاکم مسلمانوں کا نہیں ہے جو انہیں دینی ارکان کے ادا کرنے کی تاکید کرے اور اگر وہ شریعت کے احکام کی بجا آوری نہ کریں تو ان کے لئے سزائیں تجویز کی جائیں جب ان میں سے کوئی بات نہیں ہے پھر کیا وجہ ہے کہ مسلمان اس آزادی پر بھی اپنے مذہبی ارکان ادا کرتے ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں۔ زکوٰۃ دیتے ہیں روزے رکھتے ہیں اور حج کرنے جاتے ہیں ایسی کونسی قوت ہے جس نے انہیں ان فرائض کی تکمیل میں جن کو قائم ہوئے تیرہ صدیاں گزریں ایسا سرگرم بنا رکھا ہے نہ ان کا کوئی کہنے والا ہے نہ انہیں ترغیب دینے والا ہے۔ بس اسی کا نام معجزہ ہے اور ایسی ہی تعلیم کو جو ہزاروں سال کے بعد بھی یکساں حالت میں رہے خاص نبی سے تعلق ہوتا ہے اور غیر نبی کی قیامت تک ایسی دیرپا تعلیم نہیں ہوسکتی۔

اب اس سے ایک بات اور پیدا ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ نبوت اور معجزہ لازم و ملزوم ہیں۔ اور ایک دوسرے سے کبھی علیحدہ نہیں ہوسکتے۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ او بعض قدیم اور جدید علماء نے یہ لکھا ہے کہ جو

کے لئے معجزہ لازمی نہیں ہے ہمارے امام صاحب تو یہ تحریر فرماتے ہیں کہ اگر معجزوں کا نہ بھی ذکر کیا جائے پھر
بھی ہمارے آخر الزمان نبی کی صفات اتنی بڑھی ہوئی ہیں کہ نبوت کی شہادت دینے کے لئے کافی ہیں۔ مگر ہم اُن کے
قول کو نہیں مانتے اور ہمیں خیال ہے کہ اُنھوں نے نبوت اور معجزہ کی جڑوں کو نہیں دیکھا کہ کائنات کی کس انتہائی
حدود تک پہنچی ہوئی ہیں اور خالق کائنات سے اُن کا کیا تعلق ہے۔ الحمد للہ کہ خداوند تعالی نے اپنی قدرت
کاملہ سے معرفت اور حقیقت کے دروازے ہماری آنکھوں کے آگے کھول دیئے اور ہمیں سمجھا دیا کہ خالق کائنات
کا یہ تعلق ہے اور قدیم حکما اور فلسفی معرفت کے نکات سمجھنے میں کیسے ناکام رہے۔ اُس کا قاعدہ ہے کہ ہر صدی
میں وہ اپنی مخلوق میں سے ایک عبد کو اس لئے چن لیتا ہے کہ جو غلط خیالات بعض خارجی محسوسات اور باطلہ
اوہام کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو گئے ہیں اُن کی اصلاح اپنے اُن ہی قوانین قدرت کے مطابق
کرائے جو ہزاروں برس سے رائج ہیں اور کائنات کا انتظام اُن ہی پر چل رہا ہے۔ اس صدی میں اُس نے
خاص اس عاجز کو چنا ہے اور وہ خود مدد کرتا ہے۔ چوں کہ اس عاجز عبد کے کام میں برابر اُس کی مرضی شامل
ہے اور عاجز کے ساتھ اُس کا ہاتھ کام کر رہا ہے اسلئے خود بخود وہ معارف اور شریعت کے وہ حقائق جو ابھی تک
سر بمہر رکھے ہوئے تھے کھلنے شروع ہو گئے ہیں ورنہ اس عاجز عبد کی تو لیاقت سے فی الحقیقت یہ عظیم اور اہم کام
بہت ہی مستبعد ہے۔ نہ جس نے کبھی باقاعدہ تعلیم پائی نہ جسکے سر پر کبھی فضیلت کی پگڑی بندھی نہ جس نے کبھی مولوی
کے آگے زانوئے شاگردی طے کیا نہ جسے صرف و نحو کا علم ہو نہ اُس نے فلسفہ اور منطق پڑھی ہو نہ صدرہ اور شمس
بازغہ کی ورق گردانی کی ہو اور پھر جب وہ آنکھ بند کر کے بیٹھے ظاہری علوم اور باطنی معارف کے کل عُقدے حل ہوتے
چلے جائیں اور وہ قلم برداشتہ لکھتا چلا جائے اور اجزا کے اجزا بلا تکلف لکھ ڈالے۔ ان باتوں سے شاید وہ
لوگ چونکیں گے جنھوں نے مدت سے اُن تعلقات پر غور کرنا ترک کر دیا ہے جو عبد اور معبود میں برقرار چلے آتے
ہیں اور جن کے دماغوں میں موجودہ فلسفہ کے مفروضہ اصول نے بجائے روشنی کے تاریکی پیدا کر دی ہے اور
جو آنکھیں بند کر کے بے وقوف بھیڑوں کی طرح اُسی ڈھیا پر پڑتے ہیں جس پر یورپ کے ملحد جا رہے ہیں۔ مگر جن کے قلوب
تجلیات ربانی سے کسی قدر بھی منور ہیں اور جن کے ربانی تعلقات میں کوئی فرق نہیں آیا ہے وہ ہماری باتوں کو
کان لگا کے سنیں گے اُن کو یقین کریں گے اور کوشش کریں گے کہ اُن کے تعلقات بھی بڑھیں خالق کی مرضی
کا نقشہ اُن کی آنکھوں کے آگے کھچ جائے اور وہ ان ہی آنکھوں سے خدائے تعالی کا جلال دیکھ لیں۔ اس
عاجز عبد کو خواب میں خاص مدینہ منورہ میں حضور انور محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کی بابرکت زیارت کا اُس وقت شرف
حاصل ہوا ہے جب حضور ایک کمرہ میں تشریف رکھتے ہیں اور اس عالم کی رحمت نے اس عاجز عبد کی صورت
دیکھتے ہی اپنے پاس بٹھا لیا سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت دی جب آنکھ کھلی تو طبیعت کی عجیب کیفیت پائی بڑے غوامض
اور گہرے سے گہرے نکات خود بخود حل ہونے لگے اور شریعت محمدی کا سا انصاف عیاں ہو گیا خالق حقیقی کی
یہ رحمت سمجھنی چاہیے ورنہ من آنم کہ من دانم۔

ہمارے اس بیان سے معجزہ اور نبوت کا کچھ نہ کچھ مفہوم ناظر کی سمجھ میں آ گیا ہوگا اور اُس نے جان لیا ہوگا کہ نبوت وہ نبوت نہیں ہے جسے لوگوں نے سمجھ رکھا ہے نہ معجزہ کا وہ مقصود ہے جو عام طور پر خیال کیا جاتا ہے۔ تاہم ابھی بہت کچھ باقی ہے اور اس بحث میں ابھی اور کچھ بھی ہمیں لکھنا ہے ہم آگے ایک حد تک تفصیل کے ساتھ بیان کرینگے اور تمام حکمائے قدیم و جدید کے خیالات پر ایک نظر کرینگے اور دکھائیں گے کہ اُنھوں نے قدم قدم پر کیسی ٹھوکریں کھائی ہیں اور اخیر کس ناکامی میں اُنھوں نے دنیا سے کوچ کیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ یہ مضمون ہے بھی بہت کٹھن اور اُسے کوئی حکیم ہو یا فاضل یا عالم کبھی نہیں سمجھ سکتا جب تک خدا کی مرضی اُس کے ساتھ نہ ہو خدا اور فطرت کے رازوں کا پتہ لگانے میں محض انسانی عقل کی جستجو ہمیشہ ناکام ثابت ہوئی ہے۔ دنیا میں کوئی چیز اپنی بساط سے باہر کام نہیں کر سکتی جب تک اُسے دوسری مدد نہ ہو۔ بڑے بڑے وزنی جگاوری پتھر صرف جر ثقیل کے ذریعہ سے با آسانی ایک مقام سے دوسرے مقام پر اُٹھا کے رکھ دیئے جاتے ہیں غرض اسی طرح جتنے کام ہیں بغیر امداد دوسری چیز کے حل نہیں ہوتے اسی طرح روحانی نکات اور شریعت کے غوامض ہیں جن کو انسان بغیر ربانی تائید کے محض اپنی عقل کے زور سے نہیں سمجھ سکتا۔

جن حکما نے صرف اپنی عقل کے بھروسہ پر فطرت کے رازوں کا پتہ لگانا چاہا ہے اُنھوں نے بجائے صاف کرنے اور مشکلات کے حل کرنے کے اور بھی پیچیدگی ڈال دی ہے اور یہ پیچیدگی ایسی پڑتی چلی گئی کہ صدیوں پر صدیاں گزرنے پر اُن میں اور بھی گرہیں زیادہ پڑتی گئیں اور اخیر یہ مسئلہ یونان کی دیواروں میں اُلجھ کے رہ گیا۔ اور اگر اُسنے باہر بھی اثر ڈالا تو اسی پیچیدگی کا جس میں اب تک یورپ کا بڑا حصہ غلطاں و پیچاں دکھائی دے رہا ہے۔

سائنس یا علوم جدیدہ معجزہ اور نبوت تو درکنار ابھی تک اسی کا پتہ نہ لگا سکے کہ صداقت کیا چیز ہے اور ہمارا خیال یہ ہے کہ جب تک صداقت کی پوری توضیح نہ ہو جائے ہرگز معجزہ اور نبوت کا پتہ نہیں لگ سکتا صداقت سے خود معجزہ اور نبوت پیدا ہوتا ہے اور گویا صداقت اس عظیم شرفیت اور فضیلت کا سرچشمہ ہے۔ علوم جدیدہ کے ماہر کے لئے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ صداقت کا معیار کیا ہے۔

مسئلہ اوّل

سوال صرف یہ ہے کہ صداقت کا معیار کیا ہے۔ یہ ایک ایسا ضروری مسئلہ ہے کہ اس کے حل ہونے پر معجزہ اور نبوت کی حقیقت کھل جائے گی علوم جدیدہ کے تمام مسائل میں یہی مسئلہ بے انتہا ضروری اور لحاظ کرنے کے قابل ہے۔ سائنس فی الحقیقت ضمیر سے صداقت کی شناخت کا نام ہے۔ اور جب تک کہ اس کی پورے طور پر شناخت نہ ہو جائے اس کا راز ہرگز نہیں کھلتا جب راز کھل گیا تو گویا صداقت کا معیار معلوم ہو گیا۔ سائنس کی تو وہی تعریف موزون ہو سکتی ہے جو ہم ابھی اوپر بیان کر آئے ہیں مگر اس وقت نہایت افسوس سے دیکھا جاتا ہے کہ سائنس کا تمام علم ادب شرمناک الحاد سے پر ہو رہا ہے اور کہیں بھی صداقت کا پتہ لگانے کی مطلق

کوشش نہیں کی گئی ہے۔ بجائے اسکے کہ صداقت کے معیار کی تحقیق میں تکلیف گوارا کی جاتی سائنس کے طلبہ نے اپنی خودرائی اور تحکم سے اس پر ایسی تاریکی ڈالی ہے کہ نفس مطلب کو خبط کر دیا ہے۔ ایک ہی مسئلہ ہے اور اس میں اختلاف ہے اور ایک گروہ دوسرے گروہ کے اصول کو مطلق تسلیم نہیں کرتا۔ سائنس کے ماہروں میں سے ایک گروہ کا یہ خیال ہے کہ ادراک ہی سب چیزوں کا اصل الاصول ہے دوسرا گروہ کہتا ہے کہ استدلال ہی کل باتوں کی جڑ ہے۔ تیسرا گروہ اسباب کا قائل ہے کہ ان میں سے کوئی بات نہیں ہے بلکہ عقیدہ ان تمام باتوں کا سرچشمہ ہے۔ ہر گروہ اپنا ایک اصول رکھتا ہے اور ایک دوسرے کی تردید کرتا ہے مگر منزل مقصود ان سب سے بہت دور ہے۔ یہ جھگڑا بہت ہی طولانی ہے اور یہ قیامت تک ختم ہونے والا نہیں ہے۔ اصل میں صداقت کے معیار کا پتہ نہ لگانے نے سائنس کے دامن پر شرمناکی کا بدنما دھبہ لگا رکھا ہے۔ اگر کوئی شخص سائنس کی اصلیت دیکھنا چاہتا ہے تو اس کا فرض ہے کہ خودرائی کے عیب سے اپنے کو پاک کرے بغیر اس کے ممکن نہیں کہ وہ منزل مقصود تک پہنچ سکے۔ سوال صرف یہ ہے کہ صداقت کا معیار کیا ہے؟ اسے کہاں پا سکتے ہیں بس یہی ایک کٹھن کام ہے یہ محض ناممکن ہے کہ خودرائے صاحب میں بطور ثالث کے کوئی فیصلہ کیا جا سکے کیوں کہ ان کا جھگڑا کسی بنیاد پر نہیں ہے وہ سب خیالی تکے لڑاتے ہیں اور ہر گروہ کو اپنے مفروضہ اصول پر بہت ناز ہے۔ ہر ایک اپنے ہی دائرہ میں غلطاں پیچاں ہے جہاں سے وہ کبھی آپس میں نہیں مل سکتے۔ نہ تو ہم ان میں ثالث بن سکتے ہیں اور نہ ہم ان میں سے کسی ایک گروہ کی تقلید کر سکتے ہیں جب تک ہم بطور خود اپنا ایک اصول نہ قایم کر لیں۔ ہر شخص کا یہ خیال ہے کہ وہ ٹھیک اصول پر چل رہا ہے اور اس کے مقابلہ میں سب کے اصول غلط ہیں اور اپنے اسی مفروضہ اصول پر قایم رہکے وہ اپنا پہلو بہت ہی مضبوط خیال کرتا ہے۔ مگر سوال صرف یہ ہے کہ بغیر شہادت کے کیوں کر ہم ایک اصول کو تسلیم کر لیں۔ ایک بار اور بھی ہم اپنے قدیم دشمن خودرائی سے مقابل ہوتے ہیں اور اس کی شہادت کو جانچتے ہیں کہ وہ کتنے پانی میں ہے۔ ایک غلطی ہے جس نے سب کو گھیر رکھا ہے اور وہ غلطی یہ ہے کہ انہوں نے علم کے سرچشمہ کو صداقت کے معیار کے ساتھ مخلوط کر دیا ہے۔ انہوں نے معیار صداقت کے مسئلہ ہی کو چھوڑ دیا ہے اور انہیں یہ یقین ہو گیا ہے کہ علم کا سرچشمہ جس پر انہوں نے تکیہ کیا ہے اور اسی سے استدلال کرتے ہیں معیار صداقت ہے۔ اور اپنے مخالفین کا منہ بند کرنے کے لئے انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ تمہارا سرچشمہ علم کوئی سرچشمہ علم ہی نہیں ہے۔ ایک گروہ کا عقیدہ ہے کہ الہام یا وحی سرچشمہ علم ہو ہی نہیں سکتا۔ دوسرے کا خیال ہے کہ مذہب سرچشمہ علم نہیں بن سکتا۔ اور چند خندہ آور خودرائے یقین رکھتے ہیں کہ استدلال بھی سرچشمہ علم نہیں ہو سکتا۔ خودرائی کا یہ اصول بڑا ہی مضحکہ خیز ہے۔ دنیا کی تو ہر شے سرچشمہ علم ہی ہے اور اس مشاہدہ سے کون انکار کر سکتا ہے مگر وہ لوگ جنہوں نے اپنی خودرائی سے اس روشن مسئلہ پر تاریکی ڈال رکھی ہے۔ سمجھ لو کہ ایسے صریح مشاہدہ کا منکر دیوانہ ہونا چاہیے۔ ایک خودرائے شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ جب میں سرچشمہ علم کہوں تو اس سے حقیقی سرچشمہ علم مراد سمجھو لیکن تھوڑی دیر کی توجہ اسبات کو بتا دے گی کہ ہر سرچشمہ